

# دوسرے مسلک پر فتویٰ دینے کے اصول و ضوابط

ضرورتِ شدیدہ، قوتِ دلیل اور سہولت کی بنیاد پر افتاء بمذہب  
الغیر تتبعِ رخص، اختیارِ اخف، اتباعِ ہوی، تلفیقِ مبطل، صحیح مقاصد کے لئے  
تلفیق کا جواز، مذہب کے قولِ ضعیف پر عمل، ائمہ اربعہ کے علاوہ کے اقوال  
پر فتویٰ، نقلِ مذہبی میں اربابِ افتاء سے رجوع وغیرہ مختلف موضوعات پر  
محققینِ اصولیین کے ذکر کردہ اصول و ضوابط

مؤلف

(حضرت مولانا) مفتی اقبال محمد ٹنکا روی (صاحب)

استاذ تفسیر و حدیث و فقہ و

مہتمم دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ، گجرات

## تفصیلات

- نام کتاب: دوسرے مسلک پر فتویٰ دینے کے اصول و ضوابط  
مؤلف: (مولانا) مفتی اقبال محمد ٹنکاروی (صاحب)  
(مہتمم دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ، گجرات)  
صفحات: ۱۵۷  
سن طباعت: ۲۰۱۰ء مطابق ۱۴۳۱ھ (طباعت اول)  
تعداد: ۱۰۰۰  
کمپوزنگ: مولانا محمد یوسف سنדרاوی (خادم دارالعلوم ماٹلی والا)  
قیمت: Rs. 50

## ملنے کا پتہ

**MO.IQBAL MUHAMMAD [S.B] { Tankarvi }**

**DARULULOOM ISLAMIYYAH ARBIYYAH**

**MATLIWALA**

**Eidgah Road.Bharuch.GUJ. INDIA -392001**

**E-mail : mct\_1969@yahoo.co.in**

**Website: www.matliwala.co.in**

## انتساب

میں اپنی اس کتاب کو مادر علمی ”دارالعلوم فلاح دارین“، ترکیسر ضلع سورت، گجرات کی طرف منسوب کرتے ہوئے انتہائی خوشی و سعادت محسوس کر رہا ہوں، جس کی آغوش تربیت نے اس ناچیز کو کچھ لکھنے، بولنے کی قابلیت بخشی۔

نیز فلاح دارین کو خوں جگر اور آہِ سحر سے سینچنے والے ماہر نفسیات، استاذ محترم و مربی جلیل **حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی** دامت برکاتہم کا بھی ممنون و مشکور ہوں، جو اس کتاب کی تحریر کے محرک اول ہیں۔

مشفق و مربی ماہر معقول و منقول **حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب مظاہری** دامت برکاتہم کا بھی صمیم قلب سے شکر گزار ہوں کہ فقہ و فتاویٰ کا قلم چلانے کی سعادت کا مظہر اول آپ کی ذات والا گرامی ہی ہوئی، اور مزید یہ کہ آپ کے ادارے میں ہونے والے فقہی سیمینار کے کلیدی خطبات نے ہی اس موضوع پر قلم چلانے کے لئے آمادہ کیا۔  
فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

## دعائیہ کلمات

از :- پیر طریقت شیخ المشائخ حضرت مولانا  
محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم

دامت برکاتہم .....  
دامت برکاتہم

ماشاء اللہ عزیزم مولانا اقبال صاحب ٹنکاروی ابھی ”میڈیا کے اعتراضات و جوابات“ لکھ کر حضرات اہل علم و جدید تعلیم یافتہ لوگوں سے داد تحسین حاصل کر چکے ہیں، اس کے علاوہ اور بھی علمی و تحقیقی کام انجام دے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

اب ہمارے سامنے ان کی تازہ تصنیف مسودہ کی شکل میں ”دوسرے مسلک پر فتویٰ دینے کے اصول و ضوابط“ موجود ہے، اپنے ضعف اور کمزوری کی وجہ سے بالاستیعاب دیکھنے سے تو عاجز ہوں، مگر مولانا کی علمی استعداد اور ذوقی اعتدال کی وجہ سے امید قوی ہے کہ ان شاء اللہ یہ مجموعہ امت کے خواص علماء کے لئے بصیرت افروز ثابت ہوگا۔

اس کیلئے دعا بھی کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس انتشار و تشنت کے دور میں راہ تحقیق و فرمائے جو امت کیلئے موجب اطمینان و سکون ثابت ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(حضرت مولانا) محمد قمر الزمان الہ آبادی (صاحب دامت برکاتہم)

یکم شوال المکرم ۱۴۳۱ھ

تقریظ

## رئیس الجامعہ مفکر ملت حضرت مولانا عبدالله صاحب کاپودروی دامت برکاتہم

پچھلے چند سالوں سے امت کا ایک طبقہ اپنی سہولت پسندی کی وجہ سے بار بار اس نظریہ کو پھیلا رہا ہے کہ ”دین میں یسر ہے عسر نہیں“ اس لئے فقہاء اور ائمہ مجتہدین کے مختلف اقوال میں امت کے لئے جس میں سہولت ہو اس کو اختیار کر لیا جائے، کسی متعین مذہب کی پیروی ضروری نہیں، مگر اس نظریہ کو عملی جامہ پہنانے میں بہت خطرات ہیں۔

اگر ہر شخص کو اس کی خواہشات اور رجحان کے مطابق بلا شرط اجازت دے دی جائے تو یہ دین کے ساتھ مذاق ہوگا، اور مذہب بچوں کا کھیل بن کر رہ جائے گا۔

اسی لئے ہمارے محققین نے ضرورت شدیدہ کے موقع پر اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے مذہب کے قول کو اختیار کرنے کیلئے شرائط بیان کئے ہیں تاکہ مشکل حالات میں اور زمانہ کے احوال کے تغیر کے وقت امت شریعت کے دائرہ میں رہ کر زندگی کے مسائل حل کر سکیں۔

اسی اہم مسئلہ پر ہمارے عزیز مکرم مولانا محمد اقبال ٹنکاروی صاحب زادہ اللہ علماً و شرفاً نے یہ رسالہ تیار کیا ہے جس میں ائمہ متقدمین اور فقہاء کے اقوال جمع کر کے ”دوسرے مسلک پر فتویٰ دینے کے اصول و ضوابط“ بہت سلیس اور صاف انداز میں تحریر فرمائے ہیں۔

جس کے مطالعہ کے بعد مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ موصوف کی اس خدمت کو شرف قبولیت عطا فرماوے اور اجر عظیم عطا فرماوے۔

وقل اعملوا فسیری اللہ عملکم ..... ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب .

(حضرت مولانا) **عبدالله صاحب کاپودروی** (دامت برکاتہم)

۱۴ شوال المکرم ۱۴۳۱ھ / ۲۳ ستمبر ۲۰۱۰ء

## حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب مظاہری بانی و ناظم جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين محمد

وآله وأصحابه أجمعين. أما بعد!

اسلام ایک جامع اور مکمل نظام حیات کا نام ہے، اور تاج قیامت چوں کہ کسی اور دین و شریعت کا تصور ہی نہیں اس لیے اسلام میں ایسی لچک اور خوبی ہے کہ زمانہ خواہ کتنی ہی ترقی کر جائے، اسلام کے آفاقی اصولوں کی روشنی میں ایک متوازن، سہل اور معتدل راہ عمل ہمیشہ لوگوں کے سامنے رہے گی، اسلام بنیادی طور پر انسانیت کے لیے عسر کے بجائے یسر کی راہ تجویز کرتا ہے، چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بعثت بالحنفية السمحة (الجامع الصغير: ج ۳، ص ۲۰۳) لہذا ایک مفتی اور عالم دین کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ لوگوں کو مشقت سے بچائے اور یسر و سہولت کی راہ اپنائے، اسی لیے حاجت و ضرورت شدیدہ کی بنا پر شرائط معتبرہ کے ساتھ خروج عن المذہب کی بھی اجازت ہے (دیکھئے: فواتح الرحموت: ۲/۴۰۲) و اصول الفقہ للذہبی (ص ۲۶۵)، چنانچہ ماضی قریب میں ”الحیلة الناجزة“ اس کی ایک قابل تقلید عملی پیش رفت ہمارے سامنے ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ شریعت نام ہی احکام کی پابندی کا ہے، اس لیے سہولت پسندی اور اتباع ہوی کی خاطر آسانیاں تلاش کرنا شریعت کا مذاق اڑانا ہے، اس لیے ہمارے علماء اور فقہاء نے بالغ نظری سے کام لیتے ہوئے ہمارے لیے ایک معتدل اور متوازن راہ متعین کر دی ہے اور محض تتبع رخص اور تلفیق بین المذہب سے منع فرمایا ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں: لیس للعامی أن

ينقي من المذاهب في كل مسألة أطيها عنده فيتوسع (المستصفي: ۲ / ۱۲۵) امام شاطبيؒ لکھتے ہیں: وليس تتبع الرخص واختيار الأقوال بالتشهي إلا ميل مع أهواء النفوس والشرع جاء بالنهاي عن اتباع الهوى والتخرص. (الموافقات: ۲ / ۹۳)، اگرچہ محقق ابن الہمام نے التحریر میں اور ان کے فاضل تلمیذ ابن امیر الحاج نے اس کی شرح (۳۵ / ۳) میں تتبع رخص کے باب میں توسع سے کام لیتے ہوئے جواز کا قول کیا ہے۔

گزشتہ ۱۲-۱۵ فروری ۲۰۱۰ء میں جامعہ مظہر سعادت میں منعقد انیسویں فقہی سیمینار کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے ملک کے ممتاز عالم دین حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی مدظلہ العالی صدر شعبہ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند نے یہ نکتہ اٹھایا تھا کہ کیوں نہ معاملات میں افتاء بمذہب الغیر کی اجازت دی جائے؟ ظاہر ہے یہ انتہائی نازک اور حساس مسئلہ ہے، جس پر ملک کے ارباب علم کو یقیناً غور کرنا چاہئے۔ ہمارے عزیز گرامی قدر محترم جناب مولانا اقبال صاحب ٹنکاروی مدظلہ استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم ماٹلی والا بھروج بھی اس نشست میں موجود تھے، انہوں نے مسئلے کی نزاکت کے پیش نظر ایک بار پھر مسئلے سے متعلق علماء راہنہ کی آراء کی تنقیح کر کے ایک زبردست علمی کارنامہ انجام دیا ہے۔

مولانا محترم علمی حلقوں کے لیے محتاج تعارف نہیں ہیں، دور طالب علمی سے محنت و مواظبت، سنجیدگی و متانت اور علمی چیزوں سے رغبت کے حوالے سے اپنا ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں، کئی علمی اور تحقیقی مقالات و کتب مولانا کے قلم سے اردو اور گجراتی میں منصفہ شہود پر آچکی ہیں، مولانا کی وسعت قلبی اور سیر چشمی ہے کہ انہوں نے مجھے بھی چند سطور تحریر کرنے کے لیے کہا۔ اور ازراہ نوازش انتساب میں بھی میرا نام شامل فرمایا۔ مولانا کے کسی بھی علمی کام سے

مجھے خصوصیت کے ساتھ حد درجہ مسرت ہوتی ہے، اور میں دل سے اس کی قدر کرتا ہوں، ظاہر ہے صلاحیت اور صلاحیت کے جامع ایسے موفق افراد کی ہماری علمی دنیا کو سخت ضرورت ہے جو اپنے اساتذہ کی توقعات کے مطابق علم و تحقیق کے کارواں کو آگے بڑھانے میں مصروف ہیں۔ زیر نظر رسالہ میں مولانا نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ مسئلے کی تنقیح کے ساتھ اکابر کی آراء اور مجامع فقہیہ کے فیصلوں کو تحریر کر دیا ہے۔

دعا ہے کہ مولانا کا اشہب قلم ہمیشہ رواں رہے اور اللہ پاک اس رسالے کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے مزید علمی و دینی خدمات کی توفیق ارزانی فرمائیں۔ آمین

(حضرت مولانا) **مفتی عبداللہ مظاہری** (صاحب دامت برکاتہم)

بانی و ناظم جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ

۱۸/شوال المکرم ۱۴۳۱ھ



## فہرست عنوانات

صفحہ	مضامین	نمبر
(الف)	انتساب.....	(۱)
(ب)	دعاۓ کلمات و تقریظات.....	(۲)
۱	فہرست عنوانات.....	(۳)
۴	پیش لفظ.....	(۴)
۱۲	ایک ہی امام کی تقلید.....	(۵)
۱۳	ائمہ اربعہ میں تقلید کا انحصار.....	(۶)
۱۶	افتاء بمذہب الغیر کے سلسلے میں حضرات اصولیین کے اقوال.....	(۷)
۲۰	تتبع رخص کے سلسلہ میں فریقین کے دلائل کا خلاصہ.....	(۸)
۲۴	حضرت قاضی مجاہد الاسلامؒ کا محاکمہ اور ضابطہ.....	(۹)
۲۷	ضرورت و حاجت کی اصطلاحی تعریف.....	(۱۰)
۳۱	افتاء بمذہب الغیر کے جواز کے لئے ضرورت سے کیا مراد ہے.....	(۱۱)
۳۲	علامہ شامیؒ کی عبارت ان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جهل.....	(۱۲)
۳۳	حضرت تھانویؒ کی ذکر کردہ شرطیں.....	(۱۳)
۳۷	حضرت تھانویؒ کی طرف سے علامہ شامیؒ کی عبارت کی وضاحت.....	(۱۴)
۴۲	افتاء بمذہب الغیر کی ابتداء امام ابو یوسفؒ کے زمانہ سے ہوئی.....	(۱۵)
۴۵	مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی بیان کردہ شرطیں.....	(۱۶)
صفحہ	مضامین	نمبر

- (۱۷) تتبع رخص کے سلسلہ میں علامہ شاطبیؒ کا ارشاد..... ۴۶
- (۱۸) ضرورت کے مواقع (معاشرات و معاملات)..... ۴۸
- (۱۹) ضرورت کے علاوہ افتاء بمذہب الغیر کے شرائط..... ۵۳
- (۲۰) نقل مذہب کے سلسلہ میں علامہ شعرانیؒ کے (علامہ سیوطی کے حوالے سے) اصول..... ۵۵
- (۲۱) مفتی محمود الحسن صاحب کا شاہ ولی اللہ صاحب اور انکے والد محترم کے..... ۵۷
- (۲۲) قوتِ دلیل کی بنیاد پر دوسرے مسلک پر عمل کرنا..... ۵۸
- (۲۳) شاہ ولی اللہ کا مقلد ہونا اور وہ بھی حنفی ہونا..... ۶۴
- (۲۴) عالم محقق کے لئے تقلید اور عدول مذہبی کا جواز..... ۶۵
- (۲۵) سہولت و آسانی (خواہش نفس نہ ہو) کے لئے عدول مذہب..... ۷۰
- (۲۶) عدول مذہب کے سلسلے میں حافظ ابن حجرؒ کی ذکر کردہ مختلف احوال..... ۷۲
- (۲۷) افتاء بمذہب الغیر کے لئے مفتی کے شرائط..... ۷۵
- (۲۸) نقل مذہبی میں دیگر ارباب افتاء سے رجوع و مشورہ..... ۷۹
- (۲۹) تلفیق کی لغوی، اصطلاحی تعریف..... ۸۱
- (۳۰) تلفیق کی مختلف صورتیں اور علمائے اصولیین کا اختلاف..... ۸۴
- (۳۱) علامہ حنبلی اور ان کے شاگرد علامہ سفارینی کا اختلاف..... ۸۹
- (۳۲) فقہائے کرام کے اقوال کا خلاصہ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کی زبانی..... ۹۳
- (۳۳) تلفیق کے سلسلے میں حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ کا محققانہ کلام..... ۹۷

- ۹۹ ..... زمانہ اجتہاد سے پہلے تلفیق کے شیوع کا جواب ..... (۳۴)
- ۱۰۰ ..... صحیح مقاصد کیلئے تلفیق کے جواز کے شرائط (حضرت قاضی مجاہد الاسلام) ..... (۳۵)
- ..... عبادات محضہ، عبادات مالیہ اور معاملات شرعیہ وغیرہ کا فرق کرتے ہوئے تلفیق کی  
 ۱۰۲ ..... شکلیں (ڈاکٹر وہبہ الزحیلی) ..... (۳۶)
- ..... تتبع رخص و اختیار اخف کے جواز و عدم جواز کے بارے میں اصولیین کے بارے میں  
 ۱۱۱ ..... مولانا محمد مظہر بقا صاحب کی تطبیق ..... (۳۷)
- ..... تلفیق مبطل کے عدم جواز پر حضرت حکیم الاسلام کا حکیمانہ اسلوب ..... (۳۸)
- ..... عدم تقلید یا تقيضین میں دائر سائر رہنے کے چند واضح مفسد ..... (۳۹)
- ..... حضرات صوفیائے کرام کے طریق تربیت کی بنیاد تو حید مطلب ..... (۴۰)
- ..... مذہب کے قول ضعیف پر عمل ..... (۴۱)
- ..... ائمہ اربعہ کے علاوہ کے اقوال پر عمل ..... (۴۲)
- ..... وقت کے تقاضوں کی رعایت اور ضرورت کا مطلب ..... (۴۳)
- ..... مختلف مذاہب سے مسائل اخذ کرنے میں جمع بین المذاہب کا راستہ اختیار کرنا ..... (۴۴)
- ..... خلاصہ بحث ..... (۴۵)
- ..... تلفیق کے سلسلے میں مجمع الفقہ الاسلامی جدۃ کا فیصلہ ..... (۴۶)
- ..... فقہی اختلاف کی شرعی حیثیت کے بارے میں اسلامی فقہ اکیڈمی کا فیصلہ ..... (۴۷)
- ..... مراجع و مصادر ..... (۴۸)

## پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على سيد المرسلين ،

وعلى آله واصحابه اجمعين ، اما بعد!

اسلامی فقہ اکیڈمی دہلی کے انیسویں فقہی سیمینار ( منعقدہ ۲۷ تا ۳۰ صفر المظفر ۱۴۳۱ھ )

کے افتتاحی پروگرام میں محدث جلیل حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب دامت برکاتہم نے اپنے خطاب میں دیگر ائمہ کرام کے مسلک پر فتویٰ دینے کے سلسلے کے ضابطوں کے متعین کرنے کی طرف اجمالی اشارے فرمائے ، اور اسی نشست میں مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کا پودروی دامت برکاتہم نے بھی اس مسئلہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے دیگر ائمہ کے مسلک پر فتویٰ دینے کے سلسلے میں آداب و شرائط متعین کرنے کی طرف توجہ دلائی تھی۔

اس اہم اور حساس مسئلہ کی طرف اپنے ان دونوں اکابر حضرات کی رہنمائی نے بندہ کے دل میں یہ داعیہ پیدا کیا کہ اس مسئلہ میں ہمارے فقہائے کرام نے اصولی طور پر کافی کچھ اجاث ذکر کی ہیں، تو ان فقہائے کرام کی ہی عبارات کو جمع کر کے پیش کر دیا جاوے تاکہ حضرات اہل علم کو یہ مواد ایک ہی جگہ مل جاوے۔

مدارس اسلامیہ کے اصول فقہ کے نصاب میں اجتہاد اور تقلید و تلفیق کے مضامین عموماً

پڑھائے نہیں جاتے، نوراً لاً نوار میں ادلہ ثلاثہ ( کتاب و سنت اور اجماع ) سے ہی بحث ہوتی ہے، اور حسامی میں اگرچہ باب القیاس ہی پڑھایا جاتا ہے، لیکن اس میں قیاس کی شرطیں اور ائمہ کرام کے طریقہ استدلال پر ہی زیادہ ( مناظرانہ انداز میں ) گفتگو کی جاتی ہے۔

شعبہ افتاء کے نصاب میں اگرچہ رسم المفتی، مقدمہ ردالمحتار اور الاشبہ والنظائر میں ضرورت و حاجت کے ضمن میں مسائل کو ذکر کیا گیا ہے؛ لیکن اس کے حدود و شرائط پر تفصیلی گفتگو نہیں کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطاء فرمائے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو کہ آپ نے مسئلہ مفقود الخبر میں مالکی مذہب پر فتویٰ دینے کے ضمن میں افتاء بمذہب الغیر کے مسئلہ کو اٹھایا اور اپنی معرکہ الآراء کتاب الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة میں اس کے قواعد و شرائط کو اجمالاً نقل کرتے ہوئے علامہ شامیؒ کی رسم المفتی اور مقدمہ شامیؒ کی عبارتوں کی مکمل وضاحت فرمائی، اور علامہ شامیؒ کی عبارتوں سے جن حضرات نے استدلال کرتے ہوئے مسئلہ مفقود الخبر میں مالکی مسلک پر عمل کرنے سے انکار کیا تھا، حضرت حکیم الامتؒ نے علامہ شامیؒ کی ان ہی عبارتوں کی ایسی دل نشین تقریر فرمائی کہ وہ خود حضرت تھانویؒ کے مستدلات میں سے ہو گئیں۔

بندہ نے جمعیتہ علمائے ہند کے ماتحت ادارہ المباحث الفقہیہ کے چوتھے فقہی اجتماع کے موضوع ”دوسرے مسلک پر فتویٰ اور عمل کے حدود و شرائط“ کے لئے کچھ مواد تیار کیا تھا اور پھر گذشتہ چند سالوں سے دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا کے شعبہ تخصص فی الفقہ والافتاء کے طلبہ کو اصول فقہ کے اجتہادات کے مباحث پڑھانے کا موقع ملا تو اس ضمن میں کئی جدید و قدیم نئے مراجع سے استفادہ کا موقع ملا، تو اب ان تمام کتابوں کے مضامین کو یکجا کر کے حضرات اہل علم کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

واضح رہے کہ دوسرے ائمہ کے مسلک پر فتویٰ دینے کے سلسلے کے اصول و ضوابط مجموعی طور پر ائمہ اربعہ کے نزدیک یکساں ہی ہیں، اس لئے تمام مسالک کے اصولیین کی

کتابیں اور ان کے مجتہدین حضرات کی عبارات کو نقل کیا گیا ہے، تاکہ مسئلہ کے اتفاقی ہونے کو ثابت کیا جاوے۔ کچھ مضامین کا تکرار بھی اسی لئے ہوا ہے کہ ایک ہی مسئلہ کو مذاہب اربعہ کے علمائے اصول نے مختلف انداز میں پیش کیا ہے۔

تقلید و تلفیق کے عنوان کے ماتحت کئی دیگر جزئیات بھی اصولیین حضرات نے نقل کئے ہیں، لیکن یہ تمام مباحث چھوڑ کر صرف افتاء بمذہب الغیر، تتبع رخص اور تلفیق کے مسئلہ کو ہی گفتگو کا محور بنایا ہے۔

مسئلہ اپنی نزاکت اور حساسیت کی وجہ سے اہل افتاء کی توجہ کا محتاج ہے، کتاب کا عنوان ہی یہ بات متعین کر دیتا ہے کہ اس کا تعلق اہل افتاء سے ہے عام مسلمانوں سے نہیں ہے، لہذا کوئی عامی آدمی بلکہ اہل علم بھی اس کے کسی ایک مسئلہ کو پڑھ کر خود دوسرے اماموں کے قول پر عمل کرنا ہرگز شروع نہ کرے؛ بلکہ کتاب میں مذکورہ تمام اصول و ضوابط خاص کر کے خلاصہ بحث کو پڑھ لیں۔ اور اسکے بعد اہل افتاء سے رجوع کرے، اور وہ حضرات بھی انفرادی طور پر فتویٰ نہ دیں، بلکہ دیگر مفتیان کرام سے مشورہ کرنے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کرے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم بڑے پتے کی بات فرماتے ہیں ”کہ آج جب کہ ان مسائل کو حل کرنے کے لئے یہ عام رجحان پیدا ہوا، پورے عالم اسلام میں خاص طور پر عرب ممالک میں یہ رجحان پیدا ہوا، کہ ان معاملات کو حل کرنے کے لئے مختلف مذاہب سے رہنمائی حاصل کی جائے، اور کسی ایک مذہب کی اتباع نہ کی جائے، جب یہ لے آگے بڑھی تو اس نے ”جمع بین المذاہب“ کا راستہ اختیار کر لیا۔ اس لئے میری گزارش یہ ہے کہ بے شک دوسرے مذاہب (فقہی مسالک) خاص طور پر معاملات کے اندر، دوسرے مذاہب سے لے لینے کی گنجائش ہے، لیکن یہ اس وقت جب کہ

واقعی کوئی ضرورت داعی ہو اور واقعہ اس سے مسلمانوں کے کسی اجتماعی مسئلہ کا حل نکالنا مقصود ہو، اس صورت میں اس کی گنجائش ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ جب ہم کسی ایک جانب جھکیں تو ایسا نہ ہو کہ دوسری جانب کا خیال ہمارے دل سے اوجھل ہو، یہ کام بڑا نازک ہے، یہ پل صراط ہے، تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے۔ (دین کی تفہیم و تشریح اور اجتہاد: ص ۱۱، ۱۲)

حنفیہ میں سے امام قدوری، ابن ہمام، امیر بادشاہ، شاہ ولی اللہ وغیرہم اور دیگر مذاہب کے بھی کچھ اصولیین حضرات نے یہ بات ذکر کی ہے کہ انتقال مذہب کے مانعین نے عدول مذہب سے ”سد ذریعہ“ کے طور پر روکا ہے؛ کیوں کہ آزاد طبیعت کے لوگ ہر لمحہ ایسی چیزوں کی تلاش میں رہتے ہیں جن سے حرام کو حلال کر سکیں، اور اپنے فاسد اغراض کی تکمیل کی خاطر وہ شاذ اقوال اور مذاہب کی رخصتوں کو اختیار کرتے ہیں۔

انتقال مذہب کے مانعین نے اس لئے منع فرمایا تا کہ لوگ رخصتوں کی پیروی نہ کرے کسی شرعی مانع کی وجہ سے نہیں روکا، کیونکہ شریعت میں اخف پر عمل کرنے سے نہیں روکا گیا ہے، بلکہ آپ ﷺ تو اپنی امت کیلئے آسان اور اخف معاملات ہی پسند فرماتے تھے؛ لیکن ضروری ہے کہ یہ اتباع رخصت شریعت کو کھلونا بنانے کے طریقہ پر نہ ہو، جیسے کسی حنفی کا شوافع کی رائے پر شرط نچ کھیلنا (لہو لعب کے قصد سے) اور کسی شافعی کا مثلث شراب پینا احناف کے قول کے مطابق (اس سے کھیلتے ہوئے) تو یہ سب افعال حرام ہوں گے کیونکہ نصوص قطعیات کو کھلونا بنانا حرام ہے۔

(امیر بادشاہ، تیسیر التحریر: ۲/۲۵۵، ابن امیر الحاج التقرير

والتحیر: ۳/۳۵۳، فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲/۲۳۹، رسم المفتی: ص ۶۷)

بندہ نے اس قسم کی عبارتوں کو نقل کرنے سے احتراز کیا ہے کیونکہ یہ کتاب اردو زبان میں ہے، اور ان حضرات کے اقوال کو اصولیین نے تساہل قرار دیا ہے جیسے کہ حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب اپنے عربی رسالہ ”اتمام الخیر فی الافتاء بمذہب الغیر“ میں شرائط افتاء بمذہب الغیر نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وبہ صرح العلامة کمال المحقق ابن الہمام فی تحریر الاصول ۳/ ۵۰ و فیہ من المساہلۃ فی هذا الباب مالا ینبغی اظہارہ والساعة فی زماننا هذا غلبة الفساد واتباع الهوی۔

خلاصہ بحث میں بھی حضرت مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں: قلت: هذا رأى المتقدمين من مشائخنا الحنفية حيث لم يشترطوا الضرورة الشديدة والاضطرار بل اكتفوا على اشتراط عدم تتبع الرخص واما زماننا هذا فهو زمان اتباع الهوى واعجاب كل ذى رأى برأيه والتلاعب بالدين فتتبع الرخص متعين ومتيقن باعتبار الغالب الاكثر. فلا يجوز الا بشرط الضرورة الشديدة وعموم البلوى والاضطرار كما ذكره العلامة ابن العابدین فی رسالته عقود رسم المفتى وقدمر منا نصه والله سبحانه وتعالى اعلم وعلمه اتم واحکم. (جواهر الفقه: ۲/ ۱۶۶)

اس مسئلہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: خلاصہ یہ ہے کہ اصل مقصود اتباع ہویٰ سے بچنا ہے اور چونکہ اس کی تدبیر اس ہویٰ پرستی کے زمانہ میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ عمل کرنے والوں کو آزاد نہ چھوڑا جاوے، بلکہ امام واحد کی تقلید پر مجبور کیا جاوے، اس لئے تقلید شخصی بوجہ ذریعہ مقصود ہونے کے واجب قرار دی گئی۔ اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ائمہ اربعہ کی تقلید یا کسی دوسرے امام معین کی تقلید کے ثبوت کے لئے



ضروری نہیں کہ قرآن و حدیث میں ان کا نام بتلایا گیا ہو یا ان کی تعیین کو ضروری کہا گیا ہو، کیونکہ قرآن و سنت مقاصد شرعیہ کی تصریح کرتے ہیں ان کے ذرائع کی تصریح کرنا ضروری نہیں، جیسے حج کا فرض ہونا قرآن و حدیث میں منصوص ہے، مگر ریل اور جہاز یا موٹر اور اونٹ جن کے ذریعہ حج کے مقصود تک رسائی ہوتی ہے ان میں سوار ہونے کی ضرورت کی تصریح یا جہاز کے نام کی تعیین کتاب و سنت میں ڈھونڈنا واقفیت اور بے علمی کی دلیل ہے، اس لئے اگر کتاب و سنت میں کہیں بھی تقلید شخصی کا ثبوت تصریحاً نہ ہوتا، تب بھی صرف اتباعِ ہوئی کی ممانعت تقلید شخصی کے ثبوت کے لئے کافی تھی۔

لیکن حضراتِ صحابہ کے تعامل سے ثابت ہوتا ہے کہ قرن اول میں بھی اس کے نظائر موجود ہیں، عام حضراتِ صحابہ علماء صحابہ کی تقلید کرتے تھے، پھر ان میں بھی بعض تو مطلقاً بلا تعیین کے کبھی کسی عالم کی اور کبھی کسی دوسرے بزرگ کی تقلید کر کے عمل کرتے تھے، کیونکہ وہ حضرات اتباعِ ہوئی کے خطرہ سے محفوظ و مامون تھے۔ اور بعض اس وقت بھی تقلید شخصی پر عامل تھے، جس کی ایک نظیر اہل مدینہ کے حضرت زید بن ثابتؓ کی تقلید شخصی سے ملتی ہے تفصیلی واقعہ صحیح بخاری میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (فتح الباری: ۲/۴۶۳)

مفتی حضرات اس قسم کی عبارتوں کے مفاہیم سیاق و سباق کی روشنی میں اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں، لہذا ان کو ذکر نہ کرنا ہی مناسب سمجھا ہے، البتہ اجمالی و ضمنی طور پر اس کا ذکر کہیں کہیں آ گیا ہے، تو اس سے کوئی غلط مفہوم نہ نکالا جاوے، کیونکہ وہیں دونوں اقوال کا تطابق بھی ذکر کر دیا ہے۔

البتہ معاملاتِ فاسدہ اور عمومِ بلوی کے پیش نظر حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت تھانویؒ نے یہ رسائل تحریر فرمائے ہیں، جیسے کہ مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں: ان فی زماننا ہذہ

قد شاعت المعاملات الفاسدة والباطلة في التجارات والاجارات وعمت بها البلوى، ومشائخ الأئمة الاربعة متفقون على جواز العمل والفتوى عند البلوى والاضطرار العام على اى مذهب من مذاهب الفقهاء المجتهدين يوجد فيه الرخصة والسهولة ولكن مشروطا بشرائط كيلا يتجاسر العوام في التلعب بالدين واتباع الهوى. ( جواهر الفقه: ١ / ١٥٨ )

بندۂ ناچیز نے بھی اسی مقصد کے پیش نظر یہ چند اصول و ضوابط کو تفصیلی عبارتوں کے ساتھ نقل کیا ہے، تاکہ حضرات فقہائے کرام امت کی موجودہ ضروریات کو مقاصد شریعت اور قواعد فقہیہ کی روشنی میں حل فرمائیں۔

**شیخ طریقت، مشفق و مربی حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی**

**دامت برکاتہم** کا انتہائی ممنون و مشکور ہوں کہ حضرت والا نے دعائیہ کلمات ارشاد فرما کے احقر کی ہمت افزائی فرمائی، حق تعالیٰ شانہ امت پر آپ کا سایہ تادیر قائم رکھے، آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ۔

**مشفق و مربی مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب دامت برکاتہم**

اور ماہر معقول و منقول استاذ محترم **حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب مظاہری**

دامت برکاتہم کا انتہائی ممنون و مشکور ہوں کہ ان دونوں بزرگوں نے انتہائی مصروفیت کے باوجود تقریظات لکھ کر حوصلہ افزائی فرمائی۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء

اس کتاب کے مسودہ کی تیبیض کے لئے عزیز القدر مولانا رشید احمد منوبری، مولانا امتیاز ولنوی اور مولانا یوسف سندر اووی (اساتذہ دارالعلوم ماٹلی والا) کا بے حد ممنون و مشکور ہوں، خاص کر کے عزیزم مولانا رشید احمد منوبری صاحب جو میری تمام عربی، اردو تحریرات کے

مسودات کی تمییز میں بڑا تعاون فرماتے ہیں۔  
 حق تعالیٰ شانہ ان تمام حضرات کے علمی، عملی و روحانی درجات میں ترقی نصیب  
 فرمائے۔ آمین بحرمت سید المرسلین ﷺ۔

(حضرت مولانا) مفتی اقبال محمد ٹنکاروی (دامت برکاتہم)  
 مہتمم دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ گجرات، الہند۔  
 ۲۰ رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ مطابق ۳۱ اگست ۲۰۱۰ء۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## ایک ہی امام کی تقلید :

قرآن و حدیث کی بے شمار نصوص میں جہاں احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہیں اتباع ہوئی سے بار بار منع فرمایا گیا، اسی لئے حضرات فقہائے کرام احکام میں اتباع ہوئی کے سخت مخالف ہیں۔ دوسری طرف یہ بات بھی تجربہ سے معلوم ہے کہ اگر عوام کو آزاد چھوڑ دیا جاوے کہ جس مسئلہ میں جس امام کے مسلک پر عمل کرنا چاہے کر سکتے ہیں تو وہ دین کو کھلونا بنا دیں گے لہذا اتباع ہوئی سے بچنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ عوام کو امام واحد کی تقلید کا پابند کیا جاوے۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے فتاویٰ (ج: ۲، ص: ۲۴۰) میں تفصیل سے یہ بات لکھی ہے کہ تمام امت کا اتفاق ہے کہ جو شخص خواہشات کی پیروی کرنے کیلئے ائمہ مجتہدین کے مذاہب تلاش کرتا ہے اور اپنی خواہش پر عمل کر کے اسکو کسی امام کی طرف منسوب کرتا ہے تو وہ خدا تعالیٰ اور رسول ﷺ کا متبع نہیں بلکہ متبع ہوئی ہے لان ذلك يفتح باب التلاعب بالدين ويفتح الذريعة ان يكون التحرم والتحليل بحسب الالهواء اسی طرح کتاب المیزان میں بھی ہے: ص ۲۸۔

شیخ الہند فرماتے ہیں کہ اگر ہر شخص کو یہ کھلی چھٹی دے دی جائے کہ وہ جب جس امام کے مسلک کو چاہے اختیار کرے تو ہر شخص اپنی آسانی کی خاطر آج ایک مسلک پر عمل کرے گا کل دوسرے مسلک پر اور اس طرح اتباع خداوندی کے بجائے اتباع نفس کا دروازہ کھل جائے گا۔

(البلاغ؛ مفتی شفیع صاحب نمبر: ۴۱۹)

المسودة لابن تیمیہ میں ہے: لو اخذت برخصة كل عالم اجتمع فيك الشركة، وفي المعنى آثار عن علي وابن مسعود ومعاذ وسليمان وفيه مرفوعاً عن النبي ﷺ وعن عمر. (المسودة: ص ۴۲۳)

علامہ شوکانی تتبع رخص کے بارے میں فقہاء کے اقوال نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اگر مقلد ہر مذہب کے آسان قول کو اختیار کرے تو ابواصلح مروزی کہتے ہیں کہ اسے فاسق قرار دیا جائے گا، ابن ابی ہریرہ کہتے ہیں کہ فاسق قرار نہیں دیا جائے گا، امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نبیذ کے مسئلہ میں اہل کوفہ (حنفیہ) کے قول پر اور سماع موتی کے مسئلہ میں اہل مدینہ کے قول پر اور متعہ کے مسئلہ میں اہل مکہ کے قول پر عمل کرے تو وہ فاسق ہو جائے گا، اور حنابلہ کے قاضی نے خاص طور پر مجتہد کو فاسق قرار دیا جب کہ مجتہد کا اجتہاد رخصت تک نہ پہنچے اور عامی جو اس مسئلہ اور رخصت میں اس مجتہد کی اتباع کر لے، حالانکہ وہ اس مسئلہ میں تقلید کی وجہ سے اتباع نہیں کر رہا ہے؛ (بلکہ تتبع رخص کی خاطر ایسا کر رہا ہے) تو چونکہ اس اتباع کی وجہ سے اس نے اپنے فریضہ تقلید میں کوتاہی کی اس لئے فاسق قرار پائے گا، ہاں! اگر عامی تقلید کرتے ہوئے رخصت پر عمل کرے تو اسے فاسق نہیں قرار دیا جائے گا؛ کیوں کہ اس نے اس شخص کی تقلید کی جسے اجتہاد کا حق ہے، اور ابن عبدالسلام نے کہا کہ اس کے فعل کو دیکھا جائے گا، چنانچہ اگر اس نے ایسا کام کیا جس کا شریعت میں حرام ہونا مشہور ہے تو وہ گنہگار ہوگا ورنہ نہیں۔“ (ارشاد الفحول: ۳۷۲، مباحث فقہیہ: ۱۷۴)

### ائمہ اربعہ میں تقلید کا انحصار :-

تقلید شخصی میں اب ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی کی تقلید جائز نہیں ہوگی اور یہ انحصار کوئی عقلی یا شرعی نہیں؛ لیکن مشیت الہی سے چار مذہب کے علاوہ دیگر مذاہب کے ائمہ کے صرف چند اقوال کتب فقہیہ میں باقی رہ گئے جو تقلید کیلئے ناکافی ہے۔

ابن خلدون فرماتے ہیں:

ثم درس مذهب اهل الظاهر اليوم بدروس ائمتہ وانكار الجمهور عليه  
ولم يبق الا في الكتب المجلدة ، دوسری جگہ فرماتے ہیں: وقف التقليد في الامصار  
عند هؤلاء الاربعة ودرس المقلدون لمن سواهم وسد الناس باب الخلاف  
وطرقه. (جواهر الفقه : ۱ / ۱۳۲)

شیخ ابن ہمام فرماتے ہیں:

انعقد الاجماع على عدم العمل بالمذاهب المخالفة للائمة الاربعة .

(تيسير التحرير: ج / ۴، ص / ۲۵۵)

ملا جيون تفسير احمدی میں فرماتے ہیں: والانصاف ان انحصار المذهب في  
الاربع فضل الهی وقبوليته من عند الله تعالى؛ لا مجال فيه التوجيهات  
والادلة. (جواهر الفقه : ۱ / ۱۳۲)

علامہ طحاوی فرماتے ہیں: من كان خارجا عن هذه الاربعة فهو من اهل  
البدعة والنار. (جواهر الفقه : ۱ / ۱۳۲)

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں: اما في زماننا فقال ائمتنا: لا يجوز تقليد غير الائمة  
الاربعة الشافعي ومالك وابي حنيفة واحمد ابن حنبل .

(عقد الجيد: بحواله جواهر الفقه : ج / ۱، ص / ۱۳۳)

علامہ جمال الدین اسنووی فرماتے ہیں: و ذکر ابن الصلاح ما حاصله انه يتعين  
تقليد الائمة الاربعة دون غيرهم لان مذاهب الاربعة قد انتشرت وعلم تقييد  
مطلقها وتخصيص عامها ونشرت فروعها بخلاف مذهب غيرهم. (نهاية

السول فی شرح منهاج الوصول : ج / ۳، ص / ۳۵۲)

ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: وانہ انعقد الاجماع علی تقلید کل واحد من

المذاهب الاربعة، وان اجماع الفقهاء الاربعة حجة لا يخرج الحق عنهم وانہ

ينبغي الاحتراز من الخلاف. (المسودة : ۴۸۲)

حضرت شاہ ولی اللہؒ عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید میں فرماتے

ہیں:

”یاد رکھو کہ ان مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں بڑی مصلحت ہے اور ان چاروں کو

بالکل نظر انداز کر دینے میں بڑا مفسدہ ہے، اس کے کئی وجوہات و اسباب ہیں: ایک یہ کہ امت کا

اس پر اتفاق رہا ہے کہ شریعت کے معلوم کرنے کے بارے میں وہ سلف متقدمین پر اعتماد کرے

، تابعین نے اس بارے میں صحابہ پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر، علیٰ ہذا القیاس

ہر دور کے علماء نے اپنے پیشروؤں پر اعتماد کیا، عقل سے بھی اس کا مستحسن ہونا ثابت ہوتا ہے

، اس لئے کہ نقل و استنباط میں بھی یہ ضروری ہے کہ متقدمین کے مذاہب معلوم ہوں، تاکہ ان

کے اقوال کے دائرہ سے خارج ہو کر خرق اجماع نہ ہو جائے، اس لیے ان اقوال کے جاننے اور

سابقین سے مدد لینے کی ضرورت ہے، دوسرے علوم و فنون، ہنروں اور پیشوں کا بھی یہی حال

ہے، صرف و نحو، طب، شاعری، لوہاری، نجاری، رنگریزی سب اسی وقت حاصل ہوتے ہیں

، جب ان کے استادوں اور ان کے ساتھ اشتغال رکھنے والوں کی صحبت اختیار کی جائے، اس

کے بغیر مہارت حاصل ہو جائے ایسا بہت کم پیش آتا ہے، اگرچہ عقلاً ایسا ممکن ہے لیکن واقعاً

ممکن نہیں۔

”جب یہ بات متعین ہوگئی کہ سلف کے اقوال و تحقیقات پر اعتماد ضروری ہے، تو پھر یہ

ضروری ہو گیا کہ جن اقوال پر اعتماد کیا جا رہا ہے وہ سند صحیح سے مروی، مشہور کتابوں میں مدون ہوں اور ان پر ایسا کام ہوا ہو کہ اس میں راجح و مرجوح اور عام و خاص کا امتیاز آسان ہو، جہاں اطلاق پایا جاتا ہے وہاں یہ پتہ چل سکے کہ اس میں قید کیا ہے؟ مختلف اقوال میں تطبیق دی جا چکی ہو، اور احکام کے علل پر روشنی ڈالی جا چکی ہو، نہیں تو ایسے مذاہب واجتہادات پر اعتماد صحیح نہیں ہوگا، ان پچھلے ادوار میں کوئی مذہب (فقہی) بھی ایسا نہیں ہے، جن میں یہ صفات پائی جاتی ہوں اور یہ شرطیں پوری ہوتی ہو، سوائے ان مذاہب اربعہ کے۔“ (اجتہاد کی حاجت و ضرورت: ص ۱۷، ۱۸)

**دوسرے مسلک پر عمل و فتویٰ :-** اس سلسلہ میں حضرات اصولیین نے مختلف اقوال و احوال نقل کئے ہیں۔

علامہ عبدالعلیٰ انصاری فرماتے ہیں: ولو التزم مذہبا معینا (ای عہد من عند نفسہ انہ علیٰ هذا المذہب (کمزہب ابی حنیفہ وغیرہ) فہل یلزمہ الاستمرار علیہ ام لا، (فقیل نعم) یجب الاستمرار ویحرم الانتقال من مذہب الی اخر (لان الالتزام لا یخلو عن اعتقاد غلبۃ الحقیۃ فیہ) فلا یتراک (وقیل لا) یجب الاستمرار ویصح الانتقال وهذا هو الحق الذی ینبغی ان یؤمن ویعتقد بہ، لکن ینبغی ان لا یكون الانتقال للتلہی فان التلہی حرام قطعاً فی المتمذہب کان اوفی غیرہ. (فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت: ص ۲۰۶)

ابن امیر الحاج نے صلاح الدین علائی سے نقل کیا ہے: والذی خرج بہ الفقہاء فی مشہور کتبہم جواز الانتقال فی آحاد المسائل والعمل فیہا بخلاف مذہب امامہ الذی یقلد مذہبہ اذا لم یکن ذلک علی وجہ التبع



للرخص. (التقرير والتحبير: ج/ ۳، ص/ ۳۵۱، وكذا في تيسير التحرير لابن امير بادشاه: ج/ ۴، ص/ ۲۵۳)

علامہ آمدی نے اس تفصیل کے ساتھ اجازت دی کہ ایک فقیہ کی جس رائے پر ایک دفعہ عمل کر چکا ہو اس مسئلہ میں دوسرے فقیہ کی طرف عدول نہ کرے: والمختار انما هو التفصیل وهو ان كل مسألة من مذهب الاول اتصل عمله بها فليس له تقليداً لغير فيها، وما لم يتصل عمله بها فلا مانع من اتباع غيره فيها. (الاحكام: ج/ ۴، ص/ ۳۱۹)

ابن نجيم مصریؒ کا بھی اسکے جواز کی طرف رجحان ہے۔ (بحر الرائق: ۶/ ۲۶۸)

جمع الجوامع میں ہے: انه يجب التزام مذهب معين يعتقده ارجح او مساويا ثم ينبغى السعى فى اعتقاده ارجح .. اسکے حاشیہ میں ہے: (ثم فى خروجه عنه) اقوال؛ احدها: لا يجوز لانه التزمه وان لم يجب التزمه، ثانيها: يجوز، والالتزام مالا يلزم غير ملزم، ثالثها: لا يجوز فى بعض المسائل.

الاصح انه يمتنع تتبع الرخص فى المذهب بان ياخذ من كل منها ما هو الاهون فيما يقع من المسائل.

(حاشیہ العطار على جمع الجوامع: ج/ ۲، ص/ ۴۴۰)

قاضی شوکانیؒ التزام مذہب معین کے بعد عامی کے لئے مذہب غیر پر عمل کرنے کے سلسلہ میں چند مذاہب ذکر کرتے ہیں:

وهو انه هل يجوز له ان يخالف امامه فى بعض المسائل وياخذ بقول

غيره؟ فقیل لا يجوز وقيل يجوز.

امام الحرمین فرماتے ہیں: اگر عمل بمذہب الغیر کسی حادثہ کے پیش آنے کے بعد ہوا ہے جس میں اس امام کی تقلید کر چکا ہے تب تو جائز نہیں ورنہ جائز ہے۔

ان كان بعد حدوث الحادثة التي قلد فيها لم يجز له الانتقال والاجاز واختار هذا امام الحرمين، وقيل ان كان المذهب الذي اراد الانتقال اليه ما ينقض الحكم لم يجز له الانتقال والاجاز واختاره ابن عبد السلام، وقيل ان كان قد عمل به بالمسئلة لم يجز له الانتقال والاجاز، وقيل يجوز بشرط ان ينشرح له صدره وان لا يكون قاصد للتلاعب وان لا يكون ناقضا لما قد حكم عليه به واختاره ابن دقيق العيد. (ارشاد الفحول: ۳ / ۲۴۰)

امام زرکشی کہتے ہیں:

”اگر کوئی شخص کسی معین مذہب کو اختیار کر لے، مثلاً: امام مالک یا امام شافعی کے مذہب کو اور اجمالی طور پر اس کے رائج ہونے کا اعتقاد رکھے تو کیا اس کے لئے جائز ہوگا کہ وہ بعض مسائل میں اپنے امام کی خلاف ورزی کرے، اور کسی دوسرے مجتہد کے قول کو اختیار کرے؟ اس سلسلے میں چند اقوال ہیں:

(۱) پہلا قول: یہ ہے کہ ایسا کرنا ممنوع ہے، حلبي نے ”اعجاز“ میں اسی قول کو اختیار کیا ہے، کیوں کہ ہر امام کا قول ایک ایک واقعہ میں مستقل ہے؛ لہذا دوسرے قول کی طرف منتقل ہونے کی بجز تشہی کے کوئی ضرورت نہیں ہے، اور اس لئے بھی کہ اس میں سہولت کی اتباع اور دین کے ساتھ کھیل ہے۔

(۲) دوسرا قول: یہ ہے کہ یہ جائز ہے اور رافعی میں اسی کو اصح کہا گیا ہے؛ کیوں کہ صحابہ کرام نے عوام کے لئے کسی معین مجتہد کی تقلید کو لازم قرار نہیں دیا ہے کیوں کہ تقلید کا جو سبب ہے

یعنی امام مقلد کا اجتہاد کی اہلیت سے متصف اور قابل تقلید ہونا، یہ اس کے اقوال کے اعتبار سے عام ہے، اور مقلد کی عدم اہلیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس جواب کو عام رکھا جائے (کہ اہل علم میں سے جس سے چاہے رجوع کرے اور فتویٰ پوچھے) اور کسی ایک مجتہد کے اجتہاد کی پیروی کو واجب قرار دینا اسلاف کے طریقہ کے خلاف ہے۔

(البحر المحیط للزرکشی : ۶ / ۳۲۰)

امام زرکشی اس قول کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ دوسرے مجتہد کے مسلک کی طرف منتقل ہونا دو صورتوں میں راجح ہے، پہلی صورت یہ ہے کہ دوسرے مذہب میں شدت ہو، اس صورت میں اس مسلک کی طرف منتقل ہونا احتیاط اور ورع و تقویٰ پر مبنی ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ اس کے مذہب کے مخالف قول کی دلیل صحیح ہے، اور اپنے امام کے مذہب میں اس سے قوی دلیل یا اس کے مخالف راجح دلیل نہ پائے، ان دونوں صورتوں میں دوسرے امام کی تقلید سے روکنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

اس کے بعد کہتے ہیں:

”واضح رہے کہ جہاں ہم نے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونے کو جائز کہا ہے تو اس کی شرط یہ ہے کہ اسے اس قول کے راجح ہونے کا اعتقاد ہو جس کی وہ اس مسئلہ میں تقلید کر رہا ہے اور اس بنیاد پر عوام کے لئے مطلقاً اجازت نہ ہوگی، کیوں کہ ایک عام آدمی اسے معلوم نہیں کر سکتا ہے۔“

(۳) تیسرا قول: یہ ہے کہ وہ شخص اس عام آدمی کی طرح ہے جس نے کسی متعین مذہب

کا التزام نہ کیا ہو، تو جن مسائل میں وہ اپنے امام کے مذہب پر عمل کر چکا ہو، ان میں دوسرے امام کی تقلید کرنا جائز نہیں، اور جن مسائل میں اپنے امام کے قول پر عمل نہ کیا ہو، ان میں دوسرے

امام کی تقلید کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے۔

(۴) چوتھا قول: یہ ہے کہ واقعات کے پیش آنے سے پہلے کسی متعین مذہب کی پیروی ضروری نہیں ہے، اور اگر کوئی واقعہ پیش آیا اور اس میں کسی امام کی اتباع کی تو اس کے لیے ضروری ہوگا کہ اس کے حق میں پیش آنے والے دیگر واقعات میں بھی اسی امام کی اتباع کرے، اسی رائے کو امام الحرمین نے اختیار کیا ہے۔

(۵) پانچواں قول: یہ ہے کہ اگر اس شخص کو غالب گمان ہو کہ بعض مسائل میں اس کے امام کے قول سے دوسرے امام کا قول زیادہ قوی ہے تو اس کے لئے ان مسائل میں دوسرے امام کی تقلید کرنا جائز ہے، اس کے قائل امام قدوری حنفی ہیں۔

(۶) چھٹا قول: اسے ابن عبدالسلام نے ”القواعد“ میں اختیار کیا ہے، اس میں تفصیل یہ ہے کہ جس مذہب سے منتقل ہونا چاہتا ہے اس سے منتقل ہونے کی وجہ سے پہلے مذہب کا حکم ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ اگر پہلی صورت ہے تو اس کے لئے ایسے حکم کی طرف منتقل ہونا جائز نہیں جس سے حکم اول کا نقص لازم آئے کیوں کہ ایسا کرنا باطل ہے، اگر دونوں مذہب کے ماخذ قریب قریب ہوں تو تقلید اور انتقال دونوں جائز ہے کیوں کہ مذاہب اربعہ کے ظہور سے قبل صحابہ کے دور میں لوگ ایسا ہی کرتے تھے، اور یہ ثابت نہیں کہ اس پر کسی ایسے شخص نے نکیر کی ہے جس کا انکار شرعاً معتبر ہے۔

(۷) ساتواں قول: جسے ابن دقیق العید نے اختیار کیا ہے، وہ یہ ہے کہ چند شرائط کے ساتھ ان کی اجازت ہے۔ پہلی شرط: یہ ہے کہ دوسرے قول پر عمل کرنے کے نتیجے میں کوئی ایسی صورت لازم نہ آئے کہ جس کے باطل ہونے پر دونوں مجتہد کا اجماع ہو۔ دوسری شرط: یہ ہے کہ جس مسئلہ میں اپنے امام کی تقلید کی ہے اس کی نوعیت ایسی نہ ہو کہ دوسرے قول پر عمل کرنے سے

اس کا نقض لازم آئے، تیسری شرط یہ ہے کہ دوسرے کی تقلید پر اسے شرح صدر ہو۔

(البحر المحيط ۶ / ۳۲۱، مباحث فقہیہ: ۱۸۹)۔

امام نوویؒ الکیا ہر اسی کا قول نقل کرتے ہیں کہ اگر کسی بھی مذہب کا اتباع جائز ہو جائے تو یہ رخصتِ مذاہب کا دروازہ کھول دے گا اور خواہشات کی پیروی ہوگی پھر آدمی کو حلال حرام اور وجوب و جواز میں اختیار ہوگا جو بالآخر شریعت کی تکلیف (مکلف بنانے والی) کو ہی ختم کر دیگا۔

لو جاز اتباع ای مذہب شاء لافضی الی ان یلتقط رخص المذاهب متبعاً  
ہواہ ویتخیر بین التحلیل والتحریم والوجوب والجواز وذلك یؤدی الی  
الخلال ربقة التکلیف. (شرح مہذب مقدمہ: ص ۵۵)

سلم الوصول شرح نہایۃ السؤل میں فتح القدر کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ انتقال مذہب کے مانعین نے اس لئے منع فرمایا تاکہ لوگ رخص مذہب کی پیروی نہ کرے کسی شرعی مانع کی وجہ سے نہیں روکا کیونکہ شریعت میں اخف پر عمل کرنے سے نہیں روکا گیا ہے بلکہ آپ ﷺ تو اپنی امت کیلئے آسان اور اخف معاملات ہی پسند فرماتے تھے؛ لیکن ضروری ہے کہ یہ اتباع رخصت شریعت کو کھلونا بنانے کے طریقہ پر نہ ہو جیسے کسی حنفی کا شوافع کی رائے پر شطرنج کھیلنا (لہو لعب کے قصد سے) اور کسی شافعی کا مثلث شراب پینا احناف کے قول کے مطابق (اس سے کھیلتے ہوئے) تو یہ سب افعال حرام ہوں گے کیونکہ نصوص قطعیات کو کھلونا بنانا حرام ہے۔

قال فی فتح القدر: لعل المانعین للانتقال انما منعوا لئلا یتبع احد  
رخص المذاهب ولا یمنع منه مانع شرعی اذ للانسان ان یسلک الاخف  
علیه إذا کان له الیہ سبیل وکان النبی ﷺ یحب ماخف علی امتہ لکن لا بد

ان لا يكون اتباع الرخص للتلهي كعمل حنفى بالشرنج على رأى الشافعى  
قصدا الى اللهو، وكشافعى يشرب المتلف للتلهي به ومثل هذا حرام  
بالاجماع لان التلهي حرام بالنصوص القاطعة .

(سلم الوصول: ص / ٦١٩)

نهاية السؤل شرح منهاج الوصول میں علامہ قرانی کے حوالے سے مذکور ہے کہ تقلید  
مذہب غیر کے جواز کی شرط یہ ہے کہ وہ امر دونوں اماموں کے نزدیک باطل نہ ہو بشرطہ ان  
لا يكون موقعا فى امر يجتمع على ابطاله الامام الذى كان على مذهبه والامام  
الذى انتقل اليه فمن قلد مالكا مثلا فى عدم النقض باللمس الخالى عن  
الشهوة، فصلى فلا بد ان يدلك بدنه ويمسح جميع رأسه والافتكون صلاته  
باطلة عند الامامين . (نهاية السؤل: ج / ٣، ص / ٣٥٠)

حضرات اصولیین اور فقہاء کرام کے مختلف اقوال نقل کرنے سے یہ بات معلوم ہوگی کہ  
دوسرے مسلک پر فتویٰ اور عمل کی گنجائش ہے۔

(الف) لیکن یہ اجازت عام حالات میں نہیں بلکہ ضرورت اور دیگر خاص حالات میں

ہے۔

حضرت قاضی مجاہد الاسلام فرماتے ہیں:

عام فقہاء کے درمیان جو مذہب مشہور ہے وہ تتبع رخص کا جائز نہ ہونا ہے حتیٰ کہ بعض  
حضرات نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ تتبع رخص کا محرک تشہی اور اتباع  
ہوئی ہے، جسے کتاب و سنت نے صراحتاً حرام قرار دیا ہے، اور فقہاء کا بھی اس کی حرمت پر اتفاق  
ہے، اس کے علاوہ اگر ہم تتبع رخص کو مباح قرار دیں تو تکلیف ہی باقی نہیں رہے گی؛ حالانکہ

شریعت نے انسان کو ایسے احکام کا مکلف بنایا ہے جو اس کے نفس پر گراں ہوں۔

امام شاطبیؒ الموافقات فی اصول الشریعة میں لکھتے ہیں:

”تتبع رخص خواہشات نفسانی کی طرف مائل ہونا ہے، اور شریعت اتباع ہوی سے روکتی

ہے لہذا یہ اس متفق علیہ اصول کے خلاف ہے۔“

تتبع رخص کو مطلقاً مباح قرار دینے کا دوسرا نقصان یہ ہوگا کہ دین لوگوں کے ہاتھوں

کھلونا ہو جائے گا، اور اگر یہ مرض اسلامی معاشرے میں عام ہو جائے تو فسق و فجور اور

لاقانونیت عام ہو جائے گی اور شریعت کے مصالح بلکہ اس کے بنیادی مقاصد معطل ہو کر رہ

جائیں گے۔

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب فریقین کے تفصیلی دلائل ذکر کرنے کے بعد

فرماتے ہیں:

اس مسئلہ میں جس قول کی طرف میرا رجحان ہے اس میں قدرے تفصیل ہے، اور وہ یہ

ہے کہ تتبع رخص عام حالات میں تشہی، لہو و لعب اور خواہشات کی پیروی کی بنیاد پر ناجائز ہے،

ہاں! اگر کسی خاص مسئلہ میں عذریہ مرض کی ضرورت کی بنیاد پر ہو تو مخصوص شرائط کے ساتھ جائز

ہے، وہ تتبع رخص جس کے ممنوع ہونے پر بعض حضرات نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے وہ یہ ہے کہ

انسان ہر مسلک میں سے اس قول کو اختیار کرے جو اس کے لئے آسان ہو اور یہ کسی واقعی عذر

اور ضرورت کے پیش نظر نہ ہو بلکہ محض خواہش نفس کی پیروی میں ہو؛ کیوں کہ اگر اس کا دروازہ

کھول دیا جائے تو یہ شریعت کے احکام سے آزادی حاصل کرنے کا ذریعہ بن جائے گا، اور دین

کھلونا اور مذاق بن کر رہ جائے گا، تتبع رخص کی اس قسم میں یہ صورت داخل ہے کہ انسان تشہی اور

لہو و لعب کی غرض سے مختلف مسائل میں مختلف فقہاء کے اقوال اختیار کرے، مثلاً: ایک شخص نے

کسی عورت کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کیا، لیکن اسے اندیشہ ہوا کہ اس جرم کی بنیاد پر اس پر حدزنا قائم کی جائے گی، اس لئے اس نے ولی اور گواہ کے بغیر اس عورت سے شادی کر لی اور اس نے بالغہ عورت کے نکاح کی صحت کے سلسلے میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو اختیار کر لیا جو بالغہ کے نکاح کے لئے ولی کی اجازت ضروری قرار نہیں دیتے، اور گواہ کے بغیر نکاح صحیح ہونے کے سلسلہ میں امام مالکؒ کا قول اختیار کر لیا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تتبع رخص کی یہ صورت شریعت کے ساتھ کھیل اور مذاق ہے، جسے کوئی فقیہ تو کیا کوئی صاحب عقل انسان بھی گوارا نہیں کر سکتا، اور فقہاء عقل و دانش کے لحاظ سے تمام لوگوں سے فائق اور شریعت کے مقاصد سے سب سے زیادہ واقف ہیں، وہ بھلا اس کی اجازت کیوں کر دے سکتے ہیں؟! اور جہاں تک خاص حالات میں رخص مذاہب سے استفادہ کی بات ہے مثلاً: زوج مفقود الخبر کے مسئلہ میں، اور بعض دوسرے مسائل میں فقہاء حنفیہ نے امام مالکؒ کے قول کو اختیار کیا ہے، اسی طرح فقہاء شافعیہ نے فقہ مالکی اور فقہ حنفی کے بعض اقوال کو اختیار کیا ہے، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اور یہ بات کسی طرح مناسب نہ ہوگی کہ ہر مکلف کو اس کی رخصت دی جائے کہ وہ اپنی زندگی کے مسائل میں اپنی خواہش کے مطابق جس قول کو چاہے اختیار کرے، یہاں تک کہ وہ ایک دن کسی مسئلہ میں امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کرے، اگر اس سے اس کی غرض پوری ہوتی نظر آئے، اور پھر کل بعینہ اسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا قول اختیار کر لے، کیوں کہ دوسرے دن امام شافعیؒ کے قول پر عمل کرنے سے اس کا مقصد پورا نہیں ہو رہا ہے، اور یہ بات مخفی نہیں کہ اتباع شریعت میں تکلیف ہوتی ہے اور مشقتوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے، لہذا شریعت کا کوئی حکم مشقت سے بالکل خالی نہیں ہو سکتا بلکہ ہر حکم شرعی میں کچھ نہ کچھ مشقت ہے، ہاں! یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بناتا، پس حرج، مشقت اور تنگی کا



شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔

مسئلہ کی نزاکت کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ کسی بھی مسئلہ میں ائمہ کے اقوال میں آسان قول کو اختیار کرنے کے سلسلے میں کوئی ضابطہ مقرر کر دیا جائے، تاکہ تباہ کن اباحت پسندی اور دین سے متنفر کرنے والی تنگی دونوں کا سدباب ہو سکے، اس سلسلہ میں درج ذیل اصول کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

(۱) ”الامر إذا ضاق اتسع“ مشہور فقہی قاعدہ ہے، اس کی رو سے جب کسی مسئلہ میں تنگی پیدا ہوگی تو شریعت اس تنگی کو دور کر کے وسعت پیدا کرے گی، تو جب کسی مبتلی بہ کو کسی امر میں ایسی تنگی، حرج اور دشواری پیش آئے، جسے وہ برداشت نہیں کر سکتا تو ایسی صورت میں اس کے لئے جائز ہوگا کہ وہ کسی دوسرے امام کے قول کو اختیار کرے جس میں دفع حرج و مشقت ہو۔

(۲) لیکن اس صورت میں اس پر لازم ہوگا کہ وہ ان ارباب علم و ذکر اور اصحاب فتویٰ سے رجوع کرے جو دین کا گہرا علم رکھتے ہوں، اور ورع و تقویٰ کی صفت سے متصف ہونے کی وجہ سے دین کی اساس اور بنیاد سمجھے جاتے ہوں، تاکہ وہ خواہش نفس اور شیطان کے مکرو فریب کا شکار نہ ہو، کیوں کہ ایک عامی انسان بسا اوقات ضرورت اور اتباع ہوی کے درمیان فرق نہیں کر سکتا ہے۔

(۳) اس پر لازم ہے کہ ائمہ اربعہ کے مذاہب سے تجاوز نہ کرے جو صدیوں سے مدون اور منقح صورت میں ہمارے پاس موجود ہیں اور جن پر زمانہ قدیم سے عمل ہوتا چلا آ رہا ہے! کیوں کہ ائمہ اربعہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے مذاہب جو فقہی کتابوں کے ذخیروں میں منقول و مذکور ہیں وہ عام طور پر ثقہ راویوں کی روایت سے مروی نہیں ہیں اور ثقہ علماء فقہاء کی زبانی

ہر دور میں تو اتر کے ساتھ نقل نہیں ہوئے ہیں، اسی طرح وہ شرائط اور قیود بھی ہمیں معلوم نہیں ہیں جو ان کے نزدیک معتبر رہی ہوں گی۔

(۴) لیکن اگر مسئلہ عموم بلوی کی وجہ سے اجتماعی ہو گیا ہو یا ایسا مسئلہ جو حالات اور زمانہ کی تبدیلی یا نئے عرف کی وجہ سے پیدا ہوا ہو، خاص طور پر لوگوں کے معاملات، مثلاً: تجارت، صنعت و حرفت اور تجارت، صنعت کار اور اہل پیشہ کی عادات سے متعلق ہو، خصوصاً بین الاقوامی معاملات میں، تو ایسی صورت میں علماء راسخین اور اصحاب تقویٰ فقہائے کرام پر لازم ہے کہ وہ ان مشکلات اور پیچیدہ مسائل کا حل شریعت کے مقاصد اور قواعد کلیہ کی روشنی میں نئے حالات کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اجتماعی اجتہاد کے ذریعہ تلاش کریں اور ان کے لئے ائمہ ہدیٰ میں سے کسی ایک کے قول سے دوسرے کے قول کی طرف درج ذیل شرطوں کے ساتھ عدول کرنا جائز ہے:

(۱) دوسرا قول شاذ نہ ہو۔

(۲) نص سے ٹکراتا نہ ہو۔ (مباحث فقہیہ: ۱۸۲)

**ضرورت کی وجہ سے افتاء بمذہب الغیر:**

ضرورت کی لغوی تعریف: الضر ضد النفع. الاضطرار الاحتیاج الی الشیء،

رجل اذا ضرورة ای ذو حاجة. (لسان العرب: ۴/۴۸۳، تاج العروس: ص/۳۴۹)

علامہ جرجانی فرماتے ہیں: الضرورة مشتقة من الضرر وهو النازل مما لا مدفع

له. (التعريفات: ص/۱۳۸)

التعريفات الفقہیة میں ہے: الضرورة يطلق علی ما اکره علیه وعلی ما

تدعو الحاجة اليه دعاء قويا کلاکل عند المخمصة. (ص/۳۵۸)

اصطلاحی تعریف: علامہ حموی<sup>۱</sup> محقق ابن ہمام کے حوالے سے فرماتے ہیں: بلوغہ حدا

ان لم يتناول الحرام هلک او قارب وهذا يبيح تناول الحرام .

ضرورت ایسی صورت کا نام ہے جس میں ہلاک ہو جانے یا ہلاکت کے قریب پہنچ جانے کا یقینی خطرہ ہو اگر ممنوع چیز استعمال نہ کرے، اس صورت میں حرام چیز کا استعمال (چند شرائط کے ساتھ) جائز ہو جاتا ہے۔

جلال الدین سیوطی<sup>۲</sup> نے بھی الاشباہ میں اسی طرح تعریف ذکر کی ہے۔

البتہ مذہب غیر پر عمل اور افتاء کے جواز کیلئے اصطلاحی ضرورت مراد نہیں ہے، جو اکل میتہ اور شرب خمر کیلئے درکار ہے بلکہ معاملات اور اقوال صغیفہ کے اختیار کرنے میں جس طرح حاجت عامہ کو ضرورت کے قائم مقام قرار دیا جاتا ہے اسی طرح اس جگہ بھی اسکا وسیع مفہوم مراد لیتے ہوئے حاجت عامہ کو اسکے قائم مقام کر دیا جائے گا۔

حاجت کے لغوی معنی:

الحوج الطلب . الحاجة القصور عن المبلغ المطلوب .

(تاج العروس: ج / ۲، ص / ۲۵)

التعريفات الفقهية میں ہے: الحاجة ما يفتقر الانسان اليه مع انه يبقى

بدونه. (ص / ۲۵۷)

اصطلاحی تعریف: الحاجة كالجائع الذي لو لم يجد ما يأكله لم يهلك غير

انه في جهد ومشقة وهذا لا يبيح الحرام ويبيح الفطر والصوم .

اس میں ہلاکت کا خطرہ تو نہ ہو مگر مشقت، پریشانی اور مصیبت میں مبتلا ہونے کا گمان ہو

۔ اس سے کوئی حرام چیز حلال نہیں ہوتی البتہ روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہوتی ہے۔

ابن نجیم فرماتے ہیں:

القاعدة السادسة من الخامسة : الحاجة تنزل منزل الضرورة، عامة كانت أو خاصة، ولهذا جوزت الإستصناع للحاجة ودخول الحمام مع جهالة مكنه فيها وما يستعملها من ماءها، ومنها الإفتاء بصحة بيع الوفا حين كثر الدين على اهل بخارى. (الأشباه : ص / ١٢٩)

کتب احناف میں بہت سی مثالیں موجود ہیں جس میں ضرورت کے سبب دیگر ائمہ کے مذہب پر عمل کیا گیا ہے جیسے کہ محقق ابن نجیم نے استصناع، دخول حمام اور بيع الوفا کو ذکر کیا، اسی طرح امام ابو یوسف کا قصہ مشہور ہے کہ آپ نے حمام سے غسل کر کے جمعہ کی نماز ادا کی پھر حمام کے کنویں میں مردہ چوہا کی خبر دی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ ہم اپنے بھائی اہل مدینہ کے قول پر عمل کرتے ہیں، (اگرچہ فتاویٰ قنیہ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے غسل کر کے نماز کا اعادہ فرمایا، اور یہ کہ آپ تو مجتہد فی المذہب تھے۔)

على ما قال في البزازية انه روى عن ابى يوسف انه صلى الجمعة مغتسلا من الحمام ثم اخبر بفأرة ميتة في بئر الحمام؛ فقال: ناخذ بقول اخواننا اهل المدينة اذا بلغ الماء قلتين لم يحمل خبثا. (شامی : ١ / ٥٦)

لیکن علامہ عبدالغنی النابلسی امام ابو یوسف کے واقعہ کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

ويمكن الجواب عن ابى يوسف انه اجتهد في دليل الشافعي واخذه،  
والمجتهد المقيد في المذاهب له ان يجتهد في اصول غير امامه لانه في  
معنى المقلد الذي لا يلزمه التزام مذهب معين كما سبق .

(خلاصة التحقيق في بيان حكم التقليد والتلفيق : ص / ١٦)

جمع بین صلاتین کا مسئلہ: و کثیر ما ابتلی المسافر بمثلہ لاسیما الحاج ولا بأس بالتقلید کما فی البحر لکن بشرط ان يلتزم جميع ما يوجبه ذلك الامام لان الحكم الملق باطل بالاجماع. (طحطاوی علی مراقی الفلاح: ۱۰۳)

شامی قبیل باب الاذان - ولا بأس بالتقلید عند الضرورة لکن بشرط

ان يلتزم جميع ما يوجبه ذلك الامام (شامی: ج ۱، ص ۲۵۶)

شامی: ج ۴، ص ۴۲۰ پر ہے: عن القنية؛ قيل لمن انتقل الى مذهب الشافعي

ليزوج له اخاف ان يكون مسلوب الايمان لاهانتة الدين بجيفة قدرة.

علامہ شامی نے درمختار کی عبارت إن الحكم والفتيا بالقول المرجوح جهل

کے تحت لکھا ہے؛ قلت: لکن هذا فی غیر موضع الضرورة. (شامی: ۷۷/۱) حضرت

تھانویؒ علامہ شامی کے رسالہ شفاء العلیل کا حوالہ نقل کر کے فرماتے ہیں (۱۶۳/۱): اسمیں من

غیر حاجة ضرورية تک سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بوقت ضرورت دوسرے مذہب پر عمل

جائز ہے۔ اس ضرورت میں قید نہیں کہ اسکا تحقق کب ہوا ہے بلکہ علی الاطلاق ضرورت کو عام رکھا

ہے، بلکہ: ص ۲۵ پر فہذہ کلہا قد تغیرت احکامہا لتغیر الزمان اما للضرورة واما

للعرف واما لقرائن الاحوال الخ.. کے بعد جو تخریر فرمایا ہے الخ اس میں بھی تصریح ہے

کہ اس زمانہ میں بھی تغیر زمانہ ضرورت جدیدہ کی وجہ سے ہو جائے تو اہل فتویٰ کے لئے مذہب

غیر پر فتویٰ دینا جائز ہے۔

حضرت حکیم الامتؒ علامہ شامی کے ایک جملہ سے فرمانا چاہتے ہیں کہ بعض حضرات نے

افتاء بمذہب الغیر کو زمانہ اجتہاد کے ساتھ (جو چوتھی صدی پر ختم ہو چکا) مخصوص فرمایا ہے، پس

چوتھی صدی کے بعد خواہ کیسی ہی ضرورت شدیدہ اور اضطرار پیش آئے مگر جس مسئلہ میں زمانہ

اجتہاد کے مشائخ نے مذہب غیر کو اختیار نہیں فرمایا اس مسئلہ میں بعد کے علماء کو مذہب غیر پر فتویٰ دینا جائز نہیں۔ اسکے مختلف جوابات دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خود علامہ شامیؒ ہر زمانہ میں اسکے جواز کی تصریح فرما چکے ہیں۔ دوسرا یہ کہ ضرورت کی وجہ سے مذہب غیر کو لیکر اس چیز کے جواز پر فتویٰ ہو سکتا ہے جس کا جواز مذہب غیر میں منصوص ہو۔ غیر مجتہد کو یہ جائز نہیں کہ منصوص فی مذہب الغیر پر قیاس کر کے کسی ایسی چیز کا جواز ثابت کرے جو دوسرے مذہب میں منصوص نہ ہو اور پھر ضرورت کی وجہ سے اس اپنے مستخرجہ جواز پر فتویٰ دے جیسے کہ بعض لوگوں نے علامہ شامی کے زمانہ میں ضرورۃ کا دعویٰ کر کے تلاوت قرآن علی القبر وغیرہ کی اجرت کو جائز رکھا تھا۔ حاصل یہ کہ افتاء بمذہب الغیر ہر زمانہ میں جائز ہے، بشرطیکہ سخت ضرورت ہو کہ مذہب

غیر کیلئے بدون کوئی تکلیف ناقابل برداشت پیش آ جاوے۔ (الحلیۃ الناجزۃ: ص ۵۰)

ضرورت کی صحیح تفسیر وہی ہے جو ہم نے کی ہے یعنی تکلیف ناقابل برداشت ہو (الحلیۃ:

ص ۵۱ حاشیہ پر) علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: ولہذا قال الزاہدی: وقد کان بعض اصحابنا یفتون بقول مالک فی هذه المسئلة للضرورة. اس میں علامہ شامیؒ نے تصریح فرمادی کہ قضا بمذہب الغیر کے بارے میں جو لا یصح کا حکم ہے وہ عدم ضرورت کے ساتھ خاص ہے، اور صاحب نہر کے قول الاداعی اور ما مکن الترافع الخ سے بھی صاف واضح ہے کہ اگر ضرورت داعی ہو اور تدافع الی الماکی ممکن نہ ہو تو افتاء بمذہب الغیر پر انکو کوئی اشکال نہیں۔

حضرت تھانویؒ ص ۲۶ پر تحریر فرماتے ہیں: رہا یہ کہ فقہ حنفی پر کسی کو عدم کفایت کا سوال

ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود فقہ حنفی میں بھی خاص شرائط کے ساتھ کہ ان کی رعایت اس رسالہ میں کر لی گئی ہے اس ضرورت شدیدہ میں دوسرے مجتہد کے قول پر عمل کرنے کی اجازت دی گئی

ہے۔ جیسا کہ علامہ شامی کے رسالہ عقود رسم المفتی: ص ۱۵۰ پر بحث مفید کے بعد مرقوم ہے:  
 وبہ علم ان المضطر له العمل بذلك لنفسه كما قلنا وان المفتي له الافتاء به  
 للمضطر فما مر من انه ليس له العمل بالضعيف ولا الافتاء به محمول على  
 غير موضع الضرورة كما علمته من مجموع ما قررناه .

نیز شامی نے درمختار کے قول ان الحكم والفتيا بالقول المرجوع جهل کے  
 تحت میں لکھا ہے: قلت: لكن هذا في غير موضع الضرورة الخ..: (ج ۱، ص ۱  
 ۷۷)

چنانچہ شرط اولین تو یہی ہے کہ مذہب غیر پر عمل کرنا ضرورتِ شدیدہ کی بناء پر ہو اتباع  
 ہوا کے لئے نہ ہو اور اس شرط پر تمام امت کا اجماع اور اتفاق علامہ ابن تیمیہ نے نقل کیا ہے  
 :حيث قال في من نكح عند شهود فسقه ثم طلقها ثلاثا فاراد التخلص من  
 الحرمة المغلظة بان النكاح كان فاسدا في الاصل على مذهب الشافعي فلم  
 يقع الطلاق مانصه وهذا القول يخالف اجماع المسلمين فانهم متفقون على  
 ان من اعتقد حل الشيء كان عليه ان يعتقد ذلك سواء وافق غرضه او خالف  
 ومن اعتقد تحريمه كان عليه ان يعتقد ذلك في الحالين وهؤلاء المطلقون  
 لا يفكرون في فساد النكاح بفسق الولي الا عند الطلاق الثلاث لا عند  
 الاستمتاع والتوارث يكونون في وقت يقلدون من يفسده وفي وقت يقلدون  
 من يصححه بحسب الغرض والهواء ومثل هذا لا يجوز باتفاق الامة (ثم قال  
 بعد ثلاثة اسطر) ونظير هذا ان اعتقد الرجل ثبوت شفعة الجوار اذا كان طالبا  
 لها وعدم ثبوتها اذا كان مشتريا فان هذا لا يجوز بالاجماع وكذا من بنى

صحة ولاية الفاسق في حال نكاحه وبنی علی فساد ولايته حال طلاقه لم یجز ذلك باجماع المسلمین ولو قال المستفتی المعین انا لم اکن اعرف ذلك وانا الیوم التزم ذلك لم یکن من ذلك لان ذلك یفتح باب التلاعب بالدين ویفتح الذریعة الی ان یكون التحلیل والتحریم بحسب الالهواء (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲، ص ۲۰۴-۲۲۱)

ہم نے اس رسالہ میں اس شرط یعنی اتباع ہواء کی بناء پر صرف ان مواضع میں مذہب مالکیہ پر عمل کی اجازت دی ہے جہاں ضرورتِ شدیدہ یقینی طور پر مشاہدہ و متیقن ہوگئی اور جہاں شدتِ ضرورت کا متیقن نہیں ہو اوہاں مذہب مالکیہ کی تسہیلات سے کام نہیں لیا۔

اور ایک شرط مذہبِ غیر پر عمل کرنے کی جمہور علماء کے نزدیک یہ بھی ہے کہ تلفیق خارق اجماع نہ ہو، حتیٰ کہ صاحب درمختار نے اس پر اجماع بایں الفاظ بیان کیا ہے: ان الحكم الملق باطل بالاجماع اور اس شرط کی تفصیل و قیود میں کلام طویل اور اختلاف کثیر ہے جس کا ایک مستقل رسالہ التحقیق فی التلفیق میں ضبط کر کے اعلاء السنن کی کتاب البیوع کے مقدمہ کا جزو بنا دیا گیا ہے۔

جدید ترتیب میں اب یہ مقدمہ اعلاء السنن: ج ۲، ص ۱۸۹ پر الفائدة التاسعة کے عنوان سے مذکور ہے۔ اور ہمارے نزدیک ان اقوالِ مختلفہ میں سے یہ قول اعدل الاقوال ہے کہ عمل واحد میں تلفیق خارق للجماع کی اجازت نہ ہو اور دو عمل جداگانہ ہوں تو ان میں تلفیق کی اجازت دی جائے، گویا ہر خلاف اجماع لازم آتا ہو مثلاً کوئی شخص بے ترتیب وضو کرے تو شافعیہ کے نزدیک وضو صحیح نہیں اور کوئی شخص ربع رأس سے کم مسح کرے تو حنفیہ کے نزدیک



وضو نہیں ہوتا، پس اگر کوئی شخص اس طرح وضو کرے کہ ترتیب کی رعایت نہ ہو اور مسح کرے رابع رأس سے کم کا تو کسی کے نزدیک بھی وضو نہیں ہوا۔ اور یہ تلفیق خارق اجماع ہے اور اگر کسی نے وضو میں چوتھائی سر سے کم کا مسح کیا اور نماز میں فاتحہ خلف الامام نہ پڑھی تو ظاہراً اس صورت میں بھی خرق اجماع لازم آتا ہے کہ وضو شافعیہ کے مذہب پر ہے اور نماز حنفیہ کے مذہب پر، مگر وضو جدا عمل ہے اور نماز جدا، اس واسطے یہ تلفیق منع نہیں، مگر تاہم احتیاط مد نظر رکھ کر اصل رسالہ ہذا میں تلفیق کی دوسری قسم سے بھی بچاؤ رکھا ہے۔

ص ۴۶ پر تحریر فرماتے ہیں: اور ضرورتِ شدیدہ اور ابتلائے عام کے وقت حنفیہ کے نزدیک دوسرے ائمہ کے مذہب کو اختیار کر کے اس پر فتویٰ دیدینا بھی جائز ہے، لیکن عوام کو خود اپنی رائے سے جس مسئلہ میں چاہیں ایسا کر لینے کی اجازت نہیں بلکہ بڑے احتیاط کی ضرورت ہے، وذلك لما صرح به العلامة الشامی فی رسالۃ شرح المنظومۃ فی رسم المفتی وقد مر نصحہ فی تمہید هذه الرسالة.

اور اس زمانہ میں احتیاط اس طرح ہو سکتا ہے کہ جب تک محقق و متدین علمائے کرام میں سے متعدد حضرات کسی مسئلہ میں ضرورت کا تحقق تسلیم کر کے دوسرے امام کے مذہب پر فتویٰ نہ دیں اس وقت تک ہرگز اپنے امام کے مذہب کو نہ چھوڑے؛ کیوں کہ مذہب غیر کو لینے کے لئے یہ شرط ہے کہ اتباع ہوئی کی بناء پر نہ ہو، بلکہ ضرورت داعیہ کی وجہ سے ہو اور ضرورت وہی معتبر ہے جس کو علمائے اہل بصیرت ضرورت سمجھیں اور نیز یہ بھی ضرور ہے کہ فتویٰ دینے والا ایسا شخص ہو جس نے کسی ماہر استاد سے فن حاصل کیا ہو اور اہل بصیرت اس کا فقہ میں مہارت تامہ حاصل ہونے پر شہادت دیتے ہوں۔

لما قال الشامی فی عقود رسم المفتی: فان المتقدمین شرطوا فی

المفتی الاجتهاد وهذا مفقود في زماننا فلا اقل من ان يشترط فيه معرفة المسائل بشروطها وقيودها التي كثيرا ما يسقطونها ولا يصرحون بها اعتمادا على فهم المتفقه وكذا لا بد من معرفة عرف زمانه واحوال اهله والتخريج في ذلك على استاذ ماهر الخ.. (ص ۴۶)

یعنی متقدمین نے مفتی ہونے کے لئے اجتہاد کی شرط لگائی ہے اور یہ اس زمانہ میں مفقود ہے، پس کم از کم اس میں یہ شرط تو ضرور رہے گی کہ مسائل سے ان کی شروط و قیود سمیت واقف ہو جن کو فقہاء اکثر چھوڑ دیتے ہیں اور اہل فن کے فہم پر بھروسہ کی وجہ سے بالتصریح بیان نہیں کرتے اور اسی طرح مفتی کے واسطے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے زمانہ کے عرف اور اہل زمانہ کے احوال سے بخوبی واقف ہو اور کسی ماہر استاد سے فتویٰ دینے کا طریقہ بھی حاصل کیا ہو (الی آخرہ) اور اس زمانہ پر فتن میں یہ دونوں باتیں جمع ہونا یعنی کسی ایک شخص میں تین کامل مہارت تامہ کا اجتماع نایاب ہے اس لئے اس زمانہ میں اطمینان کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ کم از کم دو چار محقق علمائے دین کسی امر میں ضرورت کو تسلیم کر کے مذہب غیر پر فتویٰ دیں بدون اس کے اس زمانہ میں اگر اقوال ضعیفہ اور مذہب غیر کو لینے کی اجازت دی جاوے تو اس کا لازمی نتیجہ ہدم مذہب ہے۔

ص ۵۱ پر تحریر فرماتے ہیں: جب یہ سب تفصیل علامہ موصوف خود تحریر فرما رہے ہیں اور باایں ہمہ ان چیزوں کے جواز کا فتویٰ دے رہے ہیں جو چوتھی صدی سے بہت پیچھے دوسرے مذہب سے لی گئی ہیں اور خود ان فقہائے کرام کا باوجود مجتہد نہ ہونے اور زمانہ اجتہاد ختم ہو جانے کے دوسری اشیاء کو ملحق کرنا اس کی بین دلیل ہے کہ علامہ شامی کے کلام کا یہ مطلب لینا صحیح نہیں ہو سکتا کہ چوتھی صدی کے بعد کسی دوسرے امام کا قول لینے کا اختیار نہیں؛ بلکہ افتاء بمذہب

الغیر ہر زمانہ میں جائز ہے بشرطیکہ سخت ضرورت ہو کہ مذہب غیر کے لئے بدون کوئی تکلیف ناقابل برداشت پیش آ جاوے۔ کما بیناہ من قبل ایضا ہذا ما سنع بالبال واللہ اعلم بحقیقۃ الحال .

ص ۷۰ پر تحریر فرماتے ہیں: اور ہر چند کہ حنفیہ کا مذہب از روئے دلیل نہایت قوی اور غایت احتیاط پر مبنی ہے مگر فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ میں سے بھی بعض متأخرین نے وقت کی نزاکت اور فتویوں پر نظر فرماتے ہوئے اس مسئلہ میں حضرت امام مالکؒ کے مذہب پر فتویٰ دیدیا ہے جیسا کہ علامہ شامیؒ نے در منقہ سے قہستانی کا (جو چوتھی صدی کے مشائخ حنفیہ میں ہیں) قول نقل کیا ہے: لو افتی بہ فی موضع الضرورة لا باس بہ علی ما اظن . ( ۲ / ۱۵۰ ) اور ایک عرصہ سے ارباب فتویٰ اہل ہندو بیرون ہند تقریباً سب نے اسی قول پر فتویٰ دینا اختیار کر لیا ہے اور یہ مسئلہ اس وقت ایک حیثیت سے فقہ حنفی ہی میں داخل ہو گیا، لیکن جب تک عورت صبر کر سکے اس وقت تک اصل مذہب حنفی پر عمل کرنا لازم ہے، ہاں! بوقت ضرورت شدیدہ کہ خرچ کا انتظام نہ ہو سکے یا بوجہ خوف معصیت کے بیٹھنا مناسب نہ سمجھا جاوے اس وقت مذہب مالکیہ پر عمل کرنے میں مضائقہ نہیں اور ایسے ہی مواقع کے لئے یہ فتویٰ مرتب کیا گیا ہے، مگر کسی مسئلہ میں دوسرے امام کا مذہب لینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں اس امام کے نزدیک جو شرطیں ہوں ان سب کی رعایت کی جاوے۔

لما فی الدر المختار من ان حکم الملق باطل بالاجماع وقال الشامی تحتہ: مثالہ متوضیء سال من بدنہ دم ولمس امرأة ثم صلی فان صحته هذه الصلوة ملفقة من مذهب الشافعی والحنفی والتلفیق باطل فصحته منتفیة .

وايضا قال الشامی عن الشرنبلالی تحت قول الدر (وان الرجوع عن

التقليد بعد العمل باطل اتفاقاً) وانه يجوز العمل بما يخالف ما عمله على مذهب مقلدا فيه غير امامه مستجمعا شروطه . لهذا اس مسئلہ مفقود میں مالکیہ کی تمام شرائط کا معلوم کرنا لازم ہوا اور شامی وغیرہ علمائے احناف نے اس کے متعلق جو مذہب مالکیہ نقل کیا ہے وہ محض اجمال تھا اور مسئلہ کی پوری تنقیح اور اس کے تمام قیود و شرائط علمائے مالکیہ ہی سے معلوم ہو سکتے تھے، اس لئے اس ضرورت کا احساس کر کے مالکی المذہب ارباب الفتویٰ کی خدمت میں مدینہ طیبہ (زادہ اللہ شرفاً ونوراً) مفصل استفتاء بھیجا گیا، وہاں کے متعدد علماء محققین نے نہایت تفصیل و توضیح کے ساتھ جوابات تحریر فرمائے، لیکن پھر ان میں کچھ شبہات باقی رہے اور بعض نئے سوالات پیدا ہوئے اس لئے مکرران حضرات کو تکلیف دی گئی، مکرر جوابات کے بعد بھی کچھ اور سوالات کی ضرورت ہوئی تو سہ بارہ ان کی خدمت میں سوالات بھیج کر جوابات حاصل کئے۔

ص ۲۱۴ پر تحریر فرماتے ہیں: ایک رسالہ وفاق المجتہدین نظر سے گذرا جس میں مفقود کے متعلق ایک سوال کا اجمالی جواب دینے کے بعد مفصل جواب کے لئے مجیب نے آٹھ جز قرار دیئے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

اصل مدعا رسالہ ہذا کا یہ ہے کہ علمائے احناف مسئلہ مفقود میں جو مالکیہ کے مذہب پر فتوے دیتے رہے ہیں یہ درست نہیں چونکہ یہ مدعا تصریحات فقہ کے خلاف ہے اور اس پر جو دلائل قائم کئے گئے ہیں وہ مخدوش ہیں۔ اس واسطے مختصر طور پر اس رسالہ کا جواب دینا ضروری معلوم ہوا۔

ص ۲۵۱ پر تحریر فرماتے ہیں: ساتویں جزو کے جواب میں تین امور کی تحقیق ہے (اول) حنفیہ کے نزدیک دوسرے مذہب پر فتویٰ دینے کے ضوابط و شرائط کیا ہیں؟ (دوم) جن لوگوں

نے دوسرے مذہب پر فتویٰ دینا جائز بتایا ہے یہ قابل اعتماد ہیں یا نہیں؟ (سوم) مالکیہ کا اصل مذہب کیا ہے؟

امراول میں فقہاء کی چار عبادتیں درج ہیں اول لا یفتی بغير الراجح فی مذہبہ فاذا سئل عن حکمہ یجب الایما هو صواب عنده فلا یجوز عن یجیب بمذہب الغیر. (از شامی) دوم لوقیل لحنفی مامذہب الامام الشافعی فی کذا؟ یقول: قال ابو حنیفة کذا. (از در مختار) سوم فان القاضی المقلد اذا خالف مشهور مذہبہ لا ینفذ حکمہ فی الاصح (از در مختار) لان المعتمد ان القاضی لا یصح قضائه بغير مذہبہ خصوصاً قضاء زماننا (از شامی) چهارم والتقلید وان جاز بشرط فهو للعامل لنفسه لا للمفتی لغير فلا یفتی بغير الراجح فی مذہبہ. (از شامی)

ان سے یہ ثابت کیا ہے کہ مذہب غیر پر فتویٰ دینا اور فیصلہ کرنا جائز نہیں، اسکا جواب یہ ہے کہ عبارت اولیٰ تو عبارت رابعہ کا جزو ہے، پس اس کا جواب عبارت رابعہ کے جواب سے معلوم ہو جائے گا، جو عنقریب آتا ہے، اور عبارت ثانیہ یعنی لوقیل لحنفی الخ... ایک قول ضعیف پر مبنی ہے، چنانچہ اس کے متعلق علامہ شامی نے تصریح کی ہے:

هذا مبني على قول بعض الاصولين لا يجوز تقليد المفضول مع وجود الافضل، اور مقدمہ میں ابن حجر سے تصریح نقل کی ہے کہ یہ قول ضعیف ہے۔ حیث قال: ثم اعلم انه ذكر في التحرير والشرح ايضا انه يجوز تقليد المفضول مع وجود الافضل وبه قال الحنفية والمالكية واكثر الحنابلة والشافعية وفي رواية عن احمد وطائفة كثيرة من الفقهاء لا يجوز ثم قال بعد اسطر: وقد رأيت في اخر

فتاویٰ ابن حجر الفقیہیہ التصریح ببعض ذلك فانه سئل عن عبارة النسفی المذكورة رأی المذكورة فی المتن عن الاشباه اذا سئلنا ... الخ...  
 ثم حرر ان قول ائمة الشافعية كذلك؛ ثم قال: ان ذلك مبني على الضعيف من انه يجب تقليد الاعلم دون غيره والا صح انه يتخير تقليد اى شاء ولو مفضولاً وان اعتقده كذلك .

پس یہ قول حجت نہیں اور اگر تسلیم کر لیا جاوے تو عبارت ثالثہ و رابعہ کی طرح اس کو بھی عدم ضرورت پر محمول کیا جاوے گا اور عبارت ثالثہ کے جواب میں شامی کی پوری عبارت نقل کر دینا ہی کافی ہے لہذا ذیل میں وہ عبارت درج ہے، درمختار میں عبارت ثانیہ مذکورہ بالا کے بعد ہے:

نعم لو قضی مالکی بذلک نفذ کما فی البحر والنهر وقد نظمه شیخنا الرملی الخ... اس پر اول تو شامی نے یہ لکھا (نفذ) لانہ مجتهد فیہ وهذا کله رد علی ما فی البزازیة، قال العلامة: والفتویٰ فی زماننا علی قول مالک وعلی ما فی جامع الفصولین: لو قضی قاض بانقضاء عدتها (ای الممتدة الطهر) بعد مضی تسعة اشهر نفذ لان المعتمد ان القاضی لا یصح قضائه بغير مذهبه خصوصاً قضاء زماننا .

پھر چند سطروں کے بعد فرمایا ہے: قلت: لكن هذا ظاهر اذا امکن قضاء مالکی به او حکیمہ اما فی بلاد لا یوجد فیها مالکی یحکم به فالضرورة متحققه وكان هذا وجه ما مر من البزازیة وجامع الفصولین فلا یرد قوله فی النهر انه لاداعی الی الافتاء بقول نعتقد انه خطأ یحتمل الصواب مع امکان الترافع

الى مالکى يحکم به تأمل؛ ولهذا قال الزاهدی: وقد كان بعض اصحابنا يفتون بقول مالک فى هذه المسئلة للضرورة ثم رأيت مابحثنة ذكره محشى مسکين عن السيدي الحموى الخ...

اس میں علامہ شامی نے خود تصریح فرمادی کہ قضا بمذہب الغیر کے بارہ میں جولای صبح کا حکم ہے وہ عام ضرورت کے ساتھ خاص ہے اور صاحب نہر کے قول لا داعی اور مع امکان التدفع الخ.. سے بھی صاف واضح ہے کہ اگر ضرورت داعی ہو اور ترفع الی المالکی ممکن نہ ہو تو افتاء بمذہب الغیر پر ان کو کوئی اشکال نہیں۔

اور عبارت رابعہ کا جواب اسی جواب سے معلوم ہو گیا کیوں کہ فتویٰ اور قضا اس باب میں ایک ہی حکم رکھتے ہیں، درمختار۔ رسم المفتی میں ہے ”و حاصل ما ذکره العلامة قاسم فی تصحيحه ان لا فرق بين المفتی والقاضی اھ قلت: ای فی اتباع ما رجحوه كما صرح به الشامی.“

علاوہ ازیں عبارت مذکورہ بالا میں فتویٰ اور قضا دونوں کی اجازت مصرح ہے مثلاً بزازیہ کی عبارت میں فتویٰ کی تصریح اور جامع الفصولین کی عبارت میں قضا کی تصریح ہے۔  
امردوم کی جو تحقیق لکھی ہے کہ افتاء بمذہب الغیر کی ابتداء غیر معتمد مشائخ سے ہوئی ہے اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ جب معتمد مشائخ نے اس کو قبول کر لیا تو وہ قول معتمد ہو گیا کما لا یخفى، دوسرا جواب یہ ہے کہ زاہدی وغیرہ سے اصل مسئلہ کی ابتدا نہیں ہوئی، ان سے ابتدا صرف اس کی ہوئی ہے کہ خاص ان جزئیات میں افتاء بمذہب الغیر کو نقل کیا ہے ورنہ اصل مسئلہ افتاء بمذہب الغیر کا ان کی نقل پر موقوف نہیں؛ کیوں کہ اصل مسئلہ تو متقدمین اور متأخرین کی تصریحات سے ثابت ہے چنانچہ استیجار علی تعلیم القرآن کے جواز پر متأخرین میں

سے صاحب ہدایہ، قاضی خان اور صاحب کنز وغیرہ سب محققین فتویٰ دیتے ہیں اور متقدمین میں سے امام فضلی اور فقیہ ابواللیث نے بھی فتویٰ دیا تھا (جس کی تفصیل حیلہ ناجزہ باب دوم کے مقدمہ میں موجود ہے)۔

اس سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ ضرورت کے وقت مذہب غیر پر فتویٰ دینے کے جواز پر مشائخ کا اتفاق ہے اس کے بعد کسی خاص مسئلہ میں بالتخصیص فتویٰ منقول ہونے کی ضرورت نہیں رہتی، پس اگر زاہدی وغیرہ کی نقل نہ ہوتی تب بھی اصل مسئلہ ثابت ہونے کے بعد تحقق ضرورت کے وقت مسئلہ مجوٹ فیہا میں فتویٰ دے سکتے تھے، اور اب ان کی نقل سے تائید ہوگئی؛ خاص کر جب محققین نے ان کی نقل کو قبول کر لیا، غرض زاہدی وقہستانی کا ضعف اس مسئلہ کی نقل میں مضرت نہیں کیوں کہ وہ نقل صرف تائید کے واسطے ہے اصل مداران پر نہیں بلکہ مشائخ محققین یعنی امام قرافی وغیرہ پر ہے بلکہ مسئلہ افتاء بمذہب الغیر للضرورة کی اصل خود امام ابو یوسف<sup>۲</sup> سے بھی منقول ہے چنانچہ شامی نے رسم المفتی میں بحوالہ بزازیہ نقل کیا ہے: انه صلی الجمعة مغتسلا من الحمام ثم اخبر بفارة ميتة في بير الحمام؛ فقال: ناخذ بقول اخواننا من اهل المدينة اذا بلغ الماء قلتين لم يحمل خبثا اهـ اور اس کے بعد صاحب رسالہ نے ابن شحنے سے بحوالہ شامی مسئلہ منقول میں اخذ بمذہب الغیر پر ان الفاظ میں اعتراض نقل کیا ہے: لکنہ اعترض علی الناظم بانہ لا حاجة للحنفی الی ذلک لان ذلک خلاف مذہبنا فحذفه الی چونکہ اس اعتراض میں خود یہ الفاظ موجود ہے ”لا حاجة للحنفی الی ذلک اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن شحنے وغیرہ ضرورت کے تحقق میں کلام کر رہے ہیں نہ کہ تحقق ضرورت کے بعد فتویٰ اور قضا بمذہب الغیر کے جواز میں، اس کے بعد اسی امر دوم کے ختم کے قریب رسالہ کے: ص ۳ پر جو لکھا ہے کہ لوگ بہت تعجب کریں



گے کہ جب علامہ شامیؒ مذہب کے خلاف فتویٰ دینا منع کرتے ہیں اور زاہدی و قہستانی کو غیر معتبر بھی کہتے ہیں پھر بعض مسائل جیسے مفقود اور ممتدة الطہر وغیرہ کے بارہ میں حرج اور ضرورت کے وقت امام مالک کے قول پر عمل کرنا کیوں جائز لکھتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ شامی نے رفع حرج کے لئے مسئلہ کو ظاہر کر دیا ہے مگر خود نہ فتویٰ دیا اور نہ فتویٰ کی اجازت بلکہ یہاں تک احتیاط کیا کہ بجائے لفظ یفتی کے محکم لکھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں: حیث لم یوجد مالکی یحکم بہ. اس میں یہ دعویٰ ہے کہ شامی نے رفع حرج کے لئے مسئلہ کو ظاہر کر دیا مگر نہ خود فتویٰ دیا نہ فتویٰ کی اجازت، یہ نہایت ہی عجیب ہے کیوں کہ وہ تو موضع ضرورت میں فتویٰ اور قضا بمذہب الغیر کی صاف تائید فرما رہے ہیں چنانچہ ممتدة الطہر کے باب میں ان کا جو قول ہے وہ عبارت ثالثہ کے جواب میں گذر چکا اور زوجہ مفقود کے بارے میں بھی اسی طرح جو قول ہے وہ عبارت ثالثہ کے جواب میں گذر چکا اور زوجہ مفقود کے بارے میں بھی اسی طرح صاف تائید کی ہے جیسا ابھی آتا ہے، اور اس کے بعد جو لکھا ہے ”بلکہ یہاں تک احتیاط کیا کہ بجائے یفتی کے یحکم لکھا“ اس جملہ سے شامی کا مقصود قضاء و فتویٰ بمذہب الغیر کی تائید حمایت ہے، کیوں کہ انہوں نے اول زوجہ مفقود کے بارہ میں مذہب مالک پر فتویٰ دینے کی تائید بزاز یہ وغیرہ سے نقل کی ہے؛ پھر لکھا ہے: و اعترض فی النہر وغیرہ بانہ لا داعی الی الافتاء بمذہب الغیر لامکان الترافع الی مالکی یحکم بمذہبہ. بعد ازاں اس کے جواب میں لکھا ہے: لکن قدمنا ان الکلام عند تحقق الضرورة حیث لم یوجد مالکی یحکم بہ.

پس سمجھ میں نہیں آتا کہ مؤلف رسالہ اپنے دعوے پر اس سے استدلال کس طرح کرنا چاہتے ہیں؟! بعد ازاں عنوان ”حاصل تحریرات“ کے اخیر میں جو درج ہے کہ اگر مالکی مذہب

کے قاضی اور مفتی نہ ہوں تو مجبوراً مذہب مالکیہ کے پورے احکام کی پابندی کرتے ہوئے احناف خود عمل کر سکتے ہیں، اس میں اول تو سخت اشکال یہ ہے کہ یہ اجازت دینا بھی فتویٰ ہے جس سے صاحب رسالہ دوسروں کو منع کر رہے ہیں، کیا فتوے کے لئے خاص لفظ فتوے کی شرط ہے؟ دوسرے یہ کہ خود عمل کیسے ممکن ہے، جبکہ مذہب مالکیہ میں قضائے قاضی شرط ہے اور قاضی کو قضا بمذہب الغیر سے صاحب رسالہ منع کرتے ہیں، تیسرے عامی کو از خود تو اپنے مذہب کی ضعیف روایت پر بھی عمل کی اجازت نہیں جو مذہب غیر پر عمل کرنے سے اہون ہے چنانچہ شامی نے علامہ بیری سے نقل کیا ہے:

هل يجوز للانسان العمل بالضعيف من الرواية في حق نفسه. نعم اذا كان له رأى اما اذا كان عاميا فلم اره لكن مقتضى تقييده بذي الرأى انه لا يجوز للعامى ذلك. قال فى خزانة الروايات العالم الذى يعرف معنى النصوص والاخبار وهو من اهل الدراية يجوز له ان يعمل عليها وان كان مخالفاً للمذهب. اهـ

پھر مذہب غیر پر عمل کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے؟ چوتھے عامی کو مذہب غیر معلوم کیسے ہوگا جبکہ اہل علم کو اس رسالہ میں بتلانے تک سے بھی منع کیا گیا ہے، گو پھر خود بتلا بھی رہے ہیں اور اس پر عمل کی اجازت بھی دے رہے ہیں۔ (الحیلة الناجزة: ۲۱۹)

شاہ عبدالعزیز کے ملفوظات میں ہے کہ ایک مرید نے عرض کیا کہ اگر ضرورت کے وقت حنفی شافعی کے قول پر عمل کر لے یا کسی دوسرے امام کے قول پر عمل کر لے تو کیا یہ صحیح ہو سکتا ہے؟ فرمایا کہ اگر کوئی ضرورت شرعی مجبور کرے تو جائز ہے، ورنہ نفسانی حیلہ کے تقاضہ سے ایسا نہ کرنا چاہئے کہ مثلاً ایک امام کی تقلید کرتا ہے، کسی مسئلہ میں عملاً دوسرے امام کا قول آسان اور سہل پایا اسوقت اسکو اختیار کر لیا یہ بری بات ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ج ۱، ص ۲۱۹)

البلاغ مفتی اعظم نمبر: ص ۴۱۹ پر ہے: لیکن چونکہ چاروں مذاہب بلاشبہ برحق ہے اور ہر ایک کے پاس دلائل موجود ہیں، اس لئے اگر مسلمانوں کو کوئی شدید اجتماعی ضرورت داعی ہو تو اس موقع پر کسی دوسرے مجتہد کے مسلک پر فتویٰ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، حضرت والد صاحب (مفتی محمد شفیع صاحب) فرمایا کرتے تھے کہ حضرت گنگوہی نے حضرت تھانویؒ کو یہ وصیت کی تھی اور حضرت تھانویؒ نے ہم سے فرمایا کہ آج کل معاملات پیچیدہ ہو گئے ہیں اور اسکی وجہ سے دین دار مسلمان تنگی کا شکار ہیں اسلئے خاص طور سے بیع و ثراء اور شرکت وغیرہ کے معاملات میں جہاں بلوی عام ہو وہاں ائمہ اربعہ میں سے جس امام کے مذہب میں عام لوگوں کیلئے گنجائش کا پہلو ہو اسکو فتاویٰ کیلئے اختیار کر لیا جاوے۔

لیکن والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ کسی دوسرے امام کا قول اختیار کرنے کے لئے چند باتوں کا اطمینان کر لینا ضروری ہے۔

(۱) سب سے پہلے تو یہ کہ واقعہ مسلمانوں کی اجتماعی ضرورت متحقق ہے یا نہیں؟ ایسا نہ ہو کہ محض تن آسانی کی بنیاد پر یہ فیصلہ کر لیا جائے، اس اطمینان کا طریقہ یہ کہ کوئی ایک مفتی خود رائے کے ساتھ یہ فیصلہ نہ کرے بلکہ دوسرے اہل فتویٰ حضرات سے مشورہ کر لے، اگر وہ بھی متفق ہو تو اتفاق رائے کے ساتھ ایسا فتویٰ دیا جائے۔

(۲) جس امام کا قول لیا جائے اس کی پوری تفصیلات براہ راست اس مذہب کے اہل فتویٰ علماء سے معلوم کی جائیں۔ محض کتابوں میں دیکھنے پر اتفاق نہ کیا جائے کہ بسا اوقات اس قول کی بعض ضروری تفصیلات عام کتابوں میں مذکور نہیں ہوتی اور ان کے نظر انداز کر دینے سے تلفیق کا اندیشہ رہتا ہے۔

(۳) ائمہ اربعہ سے خروج نہ کیا جائے کیوں کہ ان حضرات کے علاوہ کسی بھی مجتہد کا

مذہب مدون شکل میں ہم تک نہیں پہنچا اور نہ ان کے متبعین اتنے ہوئے ہیں کہ ان کا کوئی قول استفاضہ یا تواتر کی حد تک پہنچ جائے۔ (البلاغ: ص ۴۲۰)

علامہ شاطبی فرماتے ہیں کہ بعض لوگ بسا اوقات ضرورت کا غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے نفسانی خواہش اور دنیوی اغراض کے لئے مذہب غیر پر عمل کرتے ہیں۔ وربما استجاز هذا بعضهم في مواطن يدعى فيها الضرورة والجزاء الحاجة بناء على ان الضرورات تبيح المحظورات فيأخذ عند ذلك بما يوافق الغرض حتى اذا نزلت المسئلة على حالة لا ضرورة فيها ولا حاجة الى الاخذ بالقول المرجوح او الخارج عن المذهب فهذا ايضا من ذلك الطراز المتقدم فان حاصله الاخذ بما يوافق الهوى ومحال الضرورات معلومة من الشريعة (الموافقات: ج ۴، ص ۸۱) مذکورہ عبارت سے بھی ضرورت اور حاجت کے وقت افتاء بمذہب الغیر کا ثبوت معلوم ہوتا ہے۔

امام شاطبی کسی حال میں بھی تتبع رخص مذاہب کو مباح قرار نہیں دیتے، اور اس سے سختی کے ساتھ روکتے ہیں، چنانچہ وہ کہتے ہیں:

”اور بعض متاخرین ان لوگوں پر جو تتبع رخص مذاہب سے روکتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ کسی مسلک کی طرف صرف مکمل طور پر منتقل ہونا جائز ہے، اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں: اگر مانع کی مراد ان چار امور کے ماسوا ہو جس میں قضاء قاضی ٹوٹ جاتا ہے تب تو تسلیم ہے، اور اگر مانع کی مراد وہ چیزیں ہیں جن میں مکلف کے لئے توسع ہے تو تسلیم نہیں ہے اگر اس کے خلاف نہ ہو، بلکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول ”بعثت بالحنيفية السمحة“ (میں سیدھے اور آسان دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں) اس کے جواز کا تقاضا کرتا ہے، کیونکہ یہ بندوں پر ایک قسم

کی مہربانی ہے اور شریعت بندوں کو مشقت میں ڈالنے کے لئے نہیں آئی ہے بلکہ اس کا مقصد مصالح ہے، اور ما قبل کی بحث سے قاری پر واضح ہے کہ اس کلام کی حیثیت کیا ہے؟ کیونکہ ”حنیفیہ سمحہ“ میں جس توسع کا ذکر ہے وہ اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ جو اپنے اصول پر جاری ہے، اور تتبع رخص و تشہی کی بنیاد پر ائمہ کے اقوال کو اختیار کرنا اپنے اصول کے مطابق نہیں ہے، چنانچہ انہوں نے جو کچھ کہا وہ محض دعویٰ ہے۔

پھر ہم کہتے ہیں: تتبع رخص میں خواہشات نفسانی کی طرف میلان ہے، اور شریعت خواہشات کی اتباع سے روکتی ہے، لہذا یہ متفق علیہ اصول سے متصادم ہے اور اللہ تعالیٰ کے درج ذیل قول سے بھی متصادم ہے:

”فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ“ (سورہ نساء: ۵۹)

(پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اللہ اور رسول ﷺ کے حوالہ کر لیا کرو) اور یہ اختلافی مسئلہ بھی محل نزاع ہے، لہذا اسے خواہشات نفس کی طرف لوٹانا صحیح نہ ہوگا، بلکہ اسے شریعت کی طرف لوٹانا ضروری ہوگا، اور وہ دونوں اقوال میں سے راجح کو بیان کرنا ہے، جس کی اتباع واجب ہے، نہ یہ اس کی اتباع جو اس کی خواہش کے موافق ہو۔

اور بسا اوقات بعض لوگوں نے ایسی جگہوں میں اس کی اجازت دی جس میں ضرورت تقاضا کرتی ہو اور حاجت مجبور کرتی ہو ”الضرورات تبیح المحظورات“ کے فقہی اصول کے پیش نظر تو ایسے مواقع پر مکلف ایسے پہلو کو اختیار کرے گا جو غرض کے موافق ہو، یہاں تک کہ اگر مسئلہ کی نوعیت ایسی ہو کہ اس میں کوئی ضرورت داعی نہ ہو اور قول مرجوح اور اپنے مسلک سے باہر کے قول کو اختیار کرنے کی حاجت نہ ہو تو اس میں اپنے مسلک یا راجح مسلک والے قول کو اختیار کیا جائے گا، تو یہ بھی سابق طرز ہی کے قبیل سے ہے، کیوں کہ اس کا خلاصہ خواہش کے

موافق کو اختیار کرنا ہے، اور ضرورت کے مواقع شریعت سے معلوم ہیں، تو اگر یہ مسئلہ ان مواقع ضرورت میں سے ہوگا تو صاحب مسلک امام نے اسے صاحب شرع سے لے کر ضرور بیان کیا ہوگا؛ پھر تو اس سے دوسرے مسلک کی طرف منتقل ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اگر وہ مسئلہ ان مواقع ضرورت میں سے نہیں ہے تو کسی سمجھنے والے کا ایسا سمجھنا کہ وہ اس قبیل سے ہے، صریح غلطی ہے اور ناقابل قبول دعویٰ ہے۔ (الموافقات فی اصول الشریعة للشاطبی: ۱۲۵/۲، مباحث فقہیہ: ۱۷۹)

فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں ہے: (ویتخرج منه) ای مما ذکر انه لا يجب الاستمرار علی مذهب (جواز اتباعه رخص المذاهب) قال فی فتح القدير: لعل المانعین للانتقال انما منعوا لئلا يتبع احد رخص المذاهب (ج/۲، ص/۲۰۶)

ضرورت کا استعمال :- طین شارع کو محض ضرورت و دفع حرج کیلئے طاہر قرار دیا گیا ہے، ما قبل میں قلتین کے مسئلہ پر عمل کی امام ابو یوسفؒ کی روایت بلکہ عمل گذر چکا، اسی طرح بحر الرائق کے حوالے سے جمع بین الصلا تین کی روایت ذکر کی گئی۔

اسی طرح وہ امور جو عبادات و معاملات میں دائر ہیں یعنی نکاح و طلاق اسمیں بھی مذہب غیر اپنایا گیا ہے، مسئلہ مفقود میں مالکیہ کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ (شامی: ج/۳، ص/۳۳۰) اسی طرح عدت کی بعض صورتوں میں بھی مالکیہ کے قول کو اختیار کیا گیا ہے و نظیر هذه المسئلة عدة ممتدة الطهر التي بروية الدم ثلاثة ايام ثم امتد الطهر فانها تبقى في العدة وعند تنقضي عدتها بتسعة اشهر، وقد قال في البرازية: الفتوى في زماننا على قول مالک. (۳۳۰/۳)

معاملات بیع و شراء اور شرکت وغیرہ تو اور بھی اہون ہیں، فقہائے کرام عرف و تعامل کی بنیاد پر توسع اختیار فرماتے رہے ہیں، ماقبل میں استصناع کی مثال گذر چکی۔ عرف کی وجہ سے تو نصوص میں اور بھی تخصیص کردی جاتی ہے۔ تعامل کی وجہ سے قیاس کو بھی نظر انداز کیا جاتا ہے۔ (بدائع: ج ۵، ص ۱۷۲)

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: اختلاف مسائل میں اگر ابتلائے عام ہو تو اسکو بھی جائز ہی بتلائیں گے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ شریعت میں وسعت ہے اور معاملات بہت گندے ہو رہے ہیں؛ اگر مختلف فیہ امور کو حرام بتلایا جاوے گا تو اگر اس پر کوئی عمل کرے گا تو اسکو تنگی ہوگی، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ شریعت کو تنگ سمجھنے لگے گا، اس لئے تنگی میں غلو نہ کرنا چاہئے، اسکا فائدہ یہ ہوگا کہ وسعت ہونے سے اعتقاد درست ہوگا کہ شریعت کیسی اچھی چیز ہے اور کیسی رحمت ہے۔

(فقہ حنفی کے اصول و ضوابط)

علامہ شامیؒ ابن ہمام کے بارے میں فرماتے ہیں کہ انہوں نے مذہب احناف سے خارج مذہب کے بعض اقوال کو قبول کیا ہے۔ ایک مسئلہ میں امام مالکؒ کے قول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ اسی رائے پر فتویٰ دیا جانا چاہئے۔ (رسم المفتی: ص ۱۰۳)

حضرت تھانویؒ ضرورت پر گفتگو فرماتے ہوئے لکھتے ہیں ”ضروری چیز کا معیار یہ ہو اگر وہ نہ ہو تو کوئی ضرر مرتب ہو“۔ (مجالس حکیم الامت: ص ۱۰۳) ”ہر چیز کی ضرورت کا معیار یہ ہے: جس کے بغیر تکلیف ہو وہ ضروری ہے اور جس کے بغیر تکلیف نہ ہو وہ غیر ضروری ہے۔“

(امداد الفتاویٰ: ج ۴، ص ۹۴)

ایک جگہ فرماتے ہیں: میرا ارادہ تھا کہ ایک رسالہ احکام معاملات میں ایسا لکھوں کہ جن معاملات میں عوام مبتلا ہیں۔ اگر وہ صورتیں کسی مذہب میں بھی جائز ہو تو اسکی اجازت دیدوں

تاکہ مسلمانوں کا فعل کسی طرح سے تو صحیح ہو سکے، میں نے احتیاطاً اسکے بارے میں مولینا گنگوہیؒ سے بھی دریافت کیا کہ ایسے مسائل میں دوسرے مذہب پر فتویٰ دینا جائز ہے یا نہیں؟ تو حضرتؒ نے بھی اسکی اجازت دیدی۔ مولانا بہت پختہ حنفی تھے اور یہ توسع معاملات میں کیا گیا، دیانات میں نہیں آسمیں کچھ اضرار نہیں۔ اسی لئے جمعة فی القری میں ابتلاء عوام کے سبب ایسا توسع نہیں کیا البتہ امام شافعیؒ کے قول پر احتیاط ہوتا تو فتویٰ دیدیتا مگر احتیاط حنفی مذہب میں ہے۔“ (کلمۃ الحق: ص ۱۷۷)

فرمایا ”دیانات میں تو نہیں لیکن معاملات میں جسمیں ابتلاء عوام ہوتا ہے دوسرے امام کے قول پر اگر جواز کی گنجائش ہوتی ہے تو اس پر فتویٰ دفع حرج کیلئے دیتا ہوں۔“  
(اشرف المعاملات: ص ۳۳۳ بحوالہ فقہ حنفی کے اصول و ضوابط)

علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ ضرورت و مقتضیات زمانہ کی وجہ سے بھی احکام میں تغیر ہوتا ہے۔ بہت سے احکام زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ بدل جاتے ہیں اسلئے کہ اہل زمانہ کا عرف بدل جاتا ہے، نئی ضرورتیں پیدا ہوتی ہے، اہل زمانہ میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ اب اگر شرعی حکم پہلے کی طرح باقی رکھا جائے تو یہ مشقت اور باعث ضرر ہوگا اور ان اصول و قواعد کے خلاف ہوگا۔ سہولت و آسانی اور نظام کائنات کو عمدہ طریقہ پر رکھنے کیلئے ضرر فساد کے ازالے پر مبنی ہے۔ (رسائل ابن عابدین: ج ۱، ص ۱۲۶)

جنون کی وجہ سے فسخ نکاح کے قائل صرف امام محمدؒ ہیں لیکن ضرورت کی وجہ سے ان کی رائے شیخین کے مقابلے میں قبول کی گئی۔ (عالمگیری: ص ۱۳۴) تعلیم قرآن، امامت، اذان اسی سلسلہ کے مسائل ہیں۔

علامہ شامیؒ نے حاوی قدسی سے نقل کیا ہے کہ اگر صاحبین کی رائے امام صاحب کے



موافق ہو تو اس سے بلا ضرورت تجاوز نہ کیا جاوے، مگر جب اندازہ ہو کہ اگر امام صاحب موجود ہوتے تو وہ بھی یہی رائے قائم فرماتے۔ (رسم المفتی: ص ۷۰)

فقہ ابو اللیث سمرقندی فرماتے ہیں: جب امام اعظم کے مذہب میں کسی مسئلہ کے متعلق کوئی قول نہ ملے تو امام مالک کے مذہب کی طرف رجوع کیا جاوے، کیونکہ وہ سارے مذاہب میں ہمارے مذہب سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ (شامی: ج ۲، ص ۵۲۸)

(۱) طاعت و عبادت پر اجرت لینا جائز ہے۔ یہ قول بقول سرحسی اہل مدینہ کا ہے، اور فقہائے احناف میں سے سب سے پہلے مشائخ بلخ نے اسے جواز کا فتویٰ دیا۔

(مشائخ بلخ: ص ۵۶۹، شامی: ج ۵، ص ۳۵-۳۶)

(۲) دعویٰ قرض تسلیم کرنے والوں کو قرض کا اتنا ہی حصہ اداء کرنا ہوگا جو جملہ وارثوں کے درمیان وراثت کے تقسیم کے اصول پر ان کے ذمہ عائد ہوتا ہو۔

(الحیلة الناجزة: ص ۵۰، شامی: ج ۴، ص ۵۶)

اگر کسی نے کسی کا مال لے رکھا ہے اور نہیں دیتا ہے تو صاحب حق کو اجازت ہے کہ کسی طرح اسکو اس سے حاصل کرے اگرچہ چوری کے ذریعہ کیوں نہ ہو۔ علامہ شامی نے امام شافعی کے مذہب کے مطابق اپنے حق کی وصول یابی کے جواز کا ذکر کیا ہے۔

(شامی: ج ۳، ص ۲۰۰)

مذہب شافعی پر عند الضرورة عمل کرنے میں کچھ اندیشہ نہیں ہے مگر نفسانیت اور لذت نفسانی سے نہ ہو، عذریا حجت شرعیہ سے ہو۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ص ۲۴۰)

فقہ حنفی کے قواعد: ص ۱۶۹ اور تذکرة الظفر: ص ۱۷۲ میں ہے: بعض مسائل میں امام شافعی کے قول کو حنفیہ کے قول پر ترجیح دی گئی ہے اور لکھ دیا گیا ہے کہ کتب احادیث موجودہ میں

حنفیہ کی تائید میں کوئی حدیث نہیں ملی۔ ممکن ہے ہمارے ائمہ کے پاس کوئی حدیث ہو جو کتابوں میں ہم کو نہیں ملی اسلئے بحالت موجودہ قول امام شافعی قوی ہے اور ہم نے اسکو اختیار کیا ہے۔ دوسری جگہ مسئلہ مفقود پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مذهب الحنفیة وان كان قويا رواية ودراية ولكن المتأخرين منا قد اجازوا الافتاء بمذہب مالک عند الضرورة نظراً الى فساد الزمان. اسکی اجازت شدید ضرورت اور عموم بلوی واضطرار کی حالت میں ہوگی۔ (جوہر الفقہ: ج ۱، ص ۱۶۶)

جانور کو بٹائی پر دینے کا جو رواج ہے وہ اصول اجارہ پر منطبق نہ ہونے کی وجہ سے منع ہے۔ (فتح القدر: ج ۸، ص ۳۸۴، شامی: ج ۴، ص ۱۱۱)

حضرت تھانوی نے اس صورت کیلئے جواز کا فتویٰ ابن تیمیہ کی نقل کے مطابق فقہ حنبلی کی ایک روایت پر دیا ہے اور بنیاد ضرورت و ابتلاء کو قرار دیا ہے۔ (امداد الفتاوی: ج ۳، ص ۳۲۳)

## (۲) ضرورت کے علاوہ افتاء بمذہب الغیر کے شرائط۔

علامہ شعرانی کتاب المیزان میں فرماتے ہیں: ورأيت بخط الشيخ جلال الدين السيوطي رحمه الله تعالى به ما نصه حين سئل عن الانتقال من مذهب الى آخر الذي أقول به ان للمنتقل أحوالاً، أحدها: أن يكون الحامل له على الانتقال أمراً دنيوياً اقتضته الحاجة الى الرفاهية اللائقة به كحصول وظيفة أو مرتب أو قرب من الملوك وأكابر الدنيا فهذا حكم مهاجر أم قيس لانه الاعز من مقاصده .

الثاني: أن يكون الحامل له على الانتقال أمراً دنيوياً كذلك لكنه عامي لا يعرف الفقه وليس له من المذهب سوى الاسم كغالب المباشرين وأركان

الدولة وخدامهم وخدام المدارس فقل هذا أمره خفيف اذا انتقل من مذهبه الذى كان يزعم أنه متقيد به ولا يبلغ الى حد التحريم لانه الى الآن عامى لامذهب له فهو كمن أسلم جديدا له التمدد بى مذهب شاء من مذهب الائمة.

الثالث: أن يكون الحامل له أمرا دنيويا كذلك ولكنه من القدر الزائد عادة على مايليق بحاله وهو فقيه فى مذهبه وأراد الانتقال لغرض الدنيا الذى هو من شهوات نفسه المذمومة فهذا أمره أشد وربما وصل الى حد التحريم لتلاعبه بالاحكام الشرعية لمجرد غرض الدنيا مع عدم اعتقاده فى صاحب المذهب الاول أنه على كمال هدى من ربه اذ لو اعتقد أنه على كمال هدى ماانتقل عن مذهبه.

الرابع: ان يكون انتقاله لغرض دينى ولكنه كان فقيها فى مذهبه وانما انتقل لترجيح المذهب الآخر عنده لما رآه من وضوح أدلته وقوة مداركه فهذا ما يجب عليه الانتقال أو يجوز له كما قاله الرافعى وقد أفر العلماء من انتقل الى مذهب الشافعى حين قدم مصر وكانوا خلقا كثيرا مقلدين للإمام مالك.

الخامس: أن يكون انتقاله لغرض دينى لكنه كان عاريا من الفقه وقد اشتغل بمذهبه فلم يحصل منه على شىء ووجد مذهب غيره أسهل عليه بحيث يرجو سرعة ادراكه والتفقه فيه فهذا يجب عليه الانتقال قطعا ويحرم عليه التخلف لان تفقه مثله على مذهب امام من الائمة الاربعة خير من

الاستمرار على الجهل لانه ليس له من التمدب سوى الاسم، والاقامة على الجهل نقص عظيم فى المؤمن وقل ان تصح معه عبادة، قال الجلال السيوطى: وأظن ان هذا هو السبب فى تحول الطحاوى حنفا بعد ان كان شافعيًا فانه كان يقرأ على خاله الامام المزنى فتعسر يوما عليه الفهم فحلف المزنى انه لا يجيئ منه شيء فانتقل الى مذهب الامام أبى حنيفة ففتح الله تعالى عليه وصنف كتابا عظيما شرح فيه المعانى والآثار؛ وكان يقول: لو عاش خالى ورآنى اليوم لكفر عن يمينه انتهى .

السادس: أن يكن انتقاله لا لغرض دينى ولا دنيوى بان كان مجردا عن القصدىين جميعا فهذا يجوز مثله للعامى أما الفقيه فيكره له أو يمنع منه لانه قد حصل فقد ذلك المذهب الأول ويحتاج الى زمن آخر ليحصل فيه فقه المذهب الآخر فيشغله ذلك عن الامر الذى هو العمل بما تعلمه قبل ذلك وقد يموت قبل تحصيل مقصوده من المذهب الآخر فالاولى لمثل هذا ترك ذلك. انتهى كلام الجلال السيوطى رحمه الله تعالى. (كتاب الميزان: ص / ٣٦، ٣٧)

شیخ عبدالوہاب شعرائی نے فرمایا کہ میں نے خود جلال الدین سیوطی کے اپنے خط سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ جب آپ سے انتقال مذہبی کا سوال کیا گیا تو آپ نے اسکے مختلف حالات بتائے۔ فرمایا:

(۱) کبھی تو آدمی کو دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونے پر آمادہ کرنے والا کوئی دنیوی امر ہوتا ہے جس میں کوئی ایسا مناسب فائدہ ہو جس کا حاجت تقاضہ کرتی ہو، مثلاً وظیفہ یا کسی عہدہ

اور مرتبہ کا حصول یا بادشاہ اور دنیا کے اولوالعزم لوگوں کا تقرب تو اسکا حکم مہاجرام قیس کا سا ہے کیونکہ انکا مقصد اصلی وہی ام قیس تھی۔

(۲) کبھی مذکورہ دنیوی امر ہی ہوتا ہے لیکن وہ شخص جاہل ہے فقہ سے بالکل بے خبر ہے جیسے ارکان دولت اور انکے خدام، اسی طرح مدارس کے خدام۔ تو اس کا اس مذہب سے منتقل ہو جانا جسکا اپنے زعم میں وہ پابند تھا ایک معمولی بات ہے۔ وہ درجہ حرام تک نہیں پہنچا ہے، کیونکہ وہ اب تک ایسا عامی ہے جسکا کوئی مذہب ہی نہیں۔ اسکی مثال نئے مسلمان ہونے والے جیسی ہے، تو اسکے لئے جائز ہے کہ مذہب اربعہ میں سے جسکو چاہے اپنائے۔

(۳) کبھی انتقال مذہبی پر آمادہ کرنے والا امر دنیوی ہی ہوتا ہے لیکن وہ قدر حاجت سے زائد اور اسکے حال کے نامناسب ہوتا ہے اگرچہ وہ اپنے مذہب میں فقیہ بھی ہو مگر اسکا اصلی سبب ایسی دنیوی غرض ہوتی ہے جو خواہشات مذمومہ کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس کی یہ حرکت بہت سخت ہے۔ اور کبھی یہ فعل حرام کی حد تک پہنچ جاتا ہے کیونکہ وہ محض دنیوی اغراض سے احکام شرعیہ کے ساتھ کھیل کر رہا ہے۔ مزید برآں وہ صاحب مذہب اول کو ہدایتِ کامل پر نہیں سمجھتا کیوں کہ اگر اسکو حق سمجھتا تو انتقال مذہبی نہ کرتا۔

(۴) کبھی انتقال مذہبی دینی غرض سے کرتا ہے اور وہ شخص اپنے مذہب میں فقیہ بھی ہوتا ہے لیکن چونکہ دوسرے امام کے دلائل کو واضح اور مضامین عقلیہ کو قوی جان لیتا ہے اسلئے وہ اسکے مذہب کو ترجیح دیکر اس کی طرف منتقل ہوتا ہے تو یہ شخص وہ ہے جس پر نقل مذہب واجب ہے یا جائز ہے جس طرح امام رافعیؒ نے بیان کیا ہے اور علماء زمانہ نے ان لوگوں کو جنہوں نے امام شافعیؒ کے تشریف لانے کے بعد آپ کے مذہب کو اختیار کر لیا تھا، اسی مذہب پر برقرار رکھا، یہ ایک جم غفیر تھا جو مذہب مالکی رکھتا تھا۔

(۵) کبھی نقل مذہبی دینی غرض سے ہوتی ہے لیکن وہ شخص فقہ سے کورہ ہوتا ہے اور اپنے مذہب میں مشغول ہونے کے بعد بھی اس سے کچھ حاصل نہ ہو۔ اب جب دوسرے مذہب میں اس نے غور کیا تو اسکو ایسا سہل معلوم ہوا کہ اسکو اس مذہب میں علمی ادراک اور تفقہ جلدی حاصل ہونے کی امید ہوگی تو ایسے شخص پر قطعاً نقل مذہب واجب ہے اور مذہب سابق پر جمے رہنا اسکے لئے حرام ہے، کیونکہ اسکا ائمہ اربعہ میں سے کسی کے مذہب میں فقیہ بن جانا بہ نسبت اسکے جہالت پر مستمر رہنے کے زیادہ بہتر ہے، کیونکہ مذہب سابق اس کے واسطے برائے نام تھا اور جہالت پر رہنا مؤمن کے حق میں نقص عظیم ہے اور جاہل کی عبادت بہت کم صحیح ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں ”میرے نزدیک امام طحاویؒ کا مذہب شافعیؒ کو چھوڑ کر حنفی ہو جانے کا سبب یہی ہے۔“

(۶) کبھی نقل مذہبی نہ کسی دنیوی غرض سے ہوتی ہے نہ دینی، بلکہ وہ شخص دونوں مقصدوں سے خالی الذہن ہوتا ہے۔ تو اگر وہ عامی ہے تو اسکے لئے نقل مذہبی جائز ہے اور اگر وہ عالم اور فقیہ ہے تو اسکے لئے مکروہ ہے یا منع، کیونکہ جب وہ فقیہ ہے تو اس مذہب میں اسکو تفقہ بالفعل حاصل ہے اور دوسرے مذہب کو اختیار کرنے میں اس علم پر عمل نہیں ہو سکتا جو پہلے سے حاصل ہے۔ اور ممکن ہے کہ وہ اپنے مقصود کے حاصل کرنے سے پہلے فوت ہو جائے نہ ادھر کا رہے نہ ادھر کا۔ تو اسکے واسطے بہتر یہی ہے کہ وہ انتقال مذہبی نہ کرے۔

(کتاب المیزان: ج ۱، ص ۳۶)

حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ اسی طرح کے سوالات کے جواب میں

فرماتے ہیں:

سوال (۷۵۷): جو شخص حنفی کہلا کر بعض مسائل اختلافیہ میں مسائل شافعیہ و حنابلہ پر اپنی

تحقیق کی بناء پر عمل کرے تو وہ حنفیت سے نکل جائے گا یا نہیں؟ حالانکہ امام ولی اللہ صاحب

انفاس العارفين، ص: ۷۰ میں لکھتے ہیں:

”مخفی نماںد کہ حضرت ایشاں: ای عبدالرحیم صاحب دہلوی در اکثر امور موافق مذہب حنفی عمل می کردند الا بعض چیزها کہ بحسب حدیث یا وجدان بمذہب دیگر ترجیح می یافتند، ازاں جملہ آنست کہ در اقتداء سورۃ فاتحہ می خواندند، و در جنازہ نیز“۔

(”حزب امام ولی اللہ صاحب دہلوی کی اجمالی تاریخ کا مقدمہ“، ص: ۱۶۰، ۹۲، سندھ

ساگر اکادمی لاہور۔ مؤلفہ مولانا مولوی عبید اللہ صاحب سندھی حنفی دیوبندی۔)

نیز مکتوبات شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے ص: ۵ میں لکھا ہے:

”گفتم بقدر امکان جمع می کنم در مذہب مشہورہ، مثلاً صوم و صلوة و وضو و غسل و حج بوضع

کہ واقع می شود کہ ہم اہل مذاہب صحیح دانند و عند تعذر الجمع باقوی مذاہب از روئے دلیل و موافقت صریح حدیث عمل می نمایم“: (لم انظر علیہ)۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی و حضرت شاہ ولی اللہ

صاحب محدث دہلوی اپنے مسلک مذکورہ کی بناء پر مقلد تھے یا غیر مقلد؟ اور ان کو باوجود حنفی مذہب کے ایسا کرنا درست تھا یا نہیں؟ غور فرما کر اس مسئلہ پر لکھیں۔

### الجواب حامداً ومصلياً :

اگر کوئی حنفی اپنی وسعت نظر، جودتِ فہم، صفائی باطن یا کسی اور داعیہ قویہ کی بناء پر کسی

دوسرے امام کی دلیل کو قوی سمجھ کر اس پر عمل کرے تو وہ شخص حنفیت سے خارج نہیں ہوگا،

”والحاصل ان ماخالف فیہ الاصحاب امامہم الاعظم لایخرج عن مذہبہ اذا

رجحہ المشائخ المعتبرون، و کذا ما بناہ المشائخ علی العرف الحادث لتغیر

الزمان او للضرورة، ونحو ذلک لایخرج عن مذہبہ ایضا لأن ما رجحوه

لترجح دليله عندهم مأذون به من جهة الإمام الخ“ (شرح عقود رسم المفتي ، ص : ٦٨ ، مير محمد كتب خانہ).

”ونظير هذا ما نقله العلامة بيروني في اول شرحه على الاشباه عن شرح الهداية لابن الشحنة ، ونصه : إذا صح الحديث و كان على خلاف المذهب عمل بالحديث ، ويكون ذلك مذهبه ، ولا يخرج مقلده عن كونه حنفيا بالعمل به ، .... ولا يخفى ان ذلك لمن كان اهلا للنظر في النصوص ومعرفة محكمها من منسوخها ، ... ولذا رد المحقق ابن الهمام على بعض المشائخ حيث افتوا بقول الامامين بأنه لا يعدل عن قول الإمام إلا لضعف دليله“. (رد المحتار، المقدمة، مطلب : صح عن الإمام أنه قال : إذا صح الحديث فهو مذهبي : ١/٦٧، ٦٨، سعيد).

اور قوتِ داعیہ کے موافق وہ شخص معذور ہوگا اور دوسروں کو اس کا اتباع جائز نہیں ہوگا، (حاشیہ) ”ان المفتی المجتهد ليس له العدول عما اتفق عليه ابو حنيفة واصحابه ، فليس له الافتاء به وان كان مجتهدا متقنا ، .... قلت : ذلك في حق من يفتي غيره .. واما في حق العمل به لنفسه فالظاهر جوازه له ، يدل عليه قول خزانه الروايات : يجوز له ان يعمل عليها وان كان مخالفا لمذهبه : اى لان المجتهد يلزمه اتباع ما ادى اليه اجتهاده“. (شرح عقود رسم المفتي : ١٠٢ ، ١٠٣ ، مير محمد كتب خانہ کراچی) اور اس کی نظیریں مذاہب اربعہ میں موجود ہیں۔ شیخ ابن ہمام کی اباحت کو ان کے تلمیذ خاص قاسم بن قطلوبغا نے ناقابلِ اعتناء قرار دیا ہے، کذا فی رسم المفتی۔ (حاشیہ) ”قال العلامة قاسم في حق شيخه خاتمة المحققين



الکمال ابن الہمام: ”لا يعمل بابحاث شیخنا التي تخالف المذهب“ .  
(شرح عقود رسم المفتی، ص: ۶۸، میر محمد کتب خانہ کراچی، وکذا  
فی ص: ۷۶ من شرح عقود رسم المفتی)

ابن حجر مکی شافعی نے فتاویٰ کبریٰ میں لکھا ہے کہ فقہ شافعی میں زکوٰۃ کے متعلق تین مسائل  
ایسے ہیں جن میں فقہ حنفی کے موافق فتویٰ دیا جاتا ہے: نقل الزکوٰۃ، و دفع الزکوٰۃ الی  
واحد، و دفعها الی احد الاصناف اھ۔ (حاشیہ) ”جازله ان ينقل ما كان اخذه الی  
بلده... فله اعطاء بعض آحاد الصنف اقل متمول، فان اعطى اثنين من صنف  
دون الثالث.. او واحد فقط... اما اذا لم يوجد الثالث فيعطى الكل للإثنين إن  
احتاجاه، ولا ينقل باقى اسهم الی غیرهما، فان لم یحتاجوه رد علی الباقین  
ان احتاجوه وإلا نقل إلی غیرهم؛ إذ حصة من فقد من الاصناف او من آحاد  
الصنف بمحل الزکاة... الخ“ (الفتاویٰ الکبریٰ لابن حجر المکی، کتاب  
الزکاة: ۱/۳۲، ۳۸، المكتبة الإسلامية)

امام غزالی نے احیاء العلوم میں امام مالک کے مذہب کو طہارت ماء کے متعلق پسند کیا ہے  
۔ (حاشیہ) ”هذا هو مذهب الشافعی رضی اللہ عنہ، و کنت اود ان یکون  
مذہبه کمذہب مالک رضی اللہ عنہ فی ان الماء وان قل لا ینجس إلا  
بالتغیر؛ إذ الحاجة ماسة إلیه.“ (إحیاء العلوم للغزالی، کتاب اسرار الطہارة  
: ۱/۱۸۴، رشیدیہ) فقہائے احناف نے مسئلہ مفقود میں امام مالک کا مسلک اختیار  
کیا ہے۔ (حاشیہ) (راجع إلی ”حیلۃ ناجزہ“ لحکیم الامۃ اشرف علی التہانوی،  
ص: ۶۲، دارالاشاعت کراتشی) وغیرہ وغیرہ۔

شاہ عبدالرحیم صاحب حنفی تھے (حاشیہ): (دیکھئے مولانا حافظ عبدالحق خان بشیر نقشبندی کی تالیف ”مولانا عبید اللہ سندھی اور تنظیم فکر ولی اللہی، ص: ۵۴ مطبع حق چاریار اکیڈمی گجرات“) شاہ صاحب انفاس العارفين میں اپنے والد ماجد شاہ عبدالرحیم دہلوی کے متعلق فرماتے ہیں ”یہ بات مخفی نہ رہے کہ حضرت اکثر امور میں حنفی مذہب کے مطابق عمل فرماتے تھے سوائے چند ایک چیزوں کے“۔ (کتاب: مولانا عبید اللہ سندھی اور تنظیم فکر ولی اللہی، المصدر السابق و کذا فی انفاس العارفين، مترجم سید محمد فاروق قادری، ص: ۱۵۷، المعارف گنج بخش لاہور...) چنانچہ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں وہ بھی شریک تھے اور جگہ جگہ اصلاحات بھی فرمائی ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ بھی مقلد اور حنفی تھے۔ (حاشیہ): اس سلسلہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کے الفاظ ملاحظہ ہیں: ”کتبہ بیدہ الفقیر الی رحمة اللہ الکریم الودود، ولی اللہ بن عبدالرحیم الصوفی طریقة، والحنفی عملاً، والحنفی والشافعی درساً،“ یہ الفاظ حضرت نے اس صحیح بخاری پر تحریر فرمائے ہیں جو شاہ صاحبؒ کے درس میں استعمال ہوا ہے۔

(مولانا عبید اللہ سندھی اور تنظیم فکر ولی اللہی، ص: ۵۳)

وفی حزب امام ولی اللہ محدث دہلوی ہکذا ”شاہ ولی اللہ حنفی تھے،.... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حنفی مذہب کا ایک ایسا عمدہ طریقہ بتایا جو ان حدیثوں سے جن کو بخاری اور ان کے ساتھیوں نے جمع کیا اور ان کی جانچ پڑتال کی، زیادہ قریب اور موافق ہے اور وہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ، امام یوسفؒ، امام محمدؒ، ان تینوں کے اقوال میں سے وہ قول قبول کیا جائے جو حدیث سے زیادہ قریب ہو،..... الخ“ (حزب ولی اللہ دہلوی کی اجمالی تاریخ کا مقدمہ، ص: ۹۲، سندھ ساگر اکادمی، لاہور)۔ بعض حضرات کو ان کی مختلف عبارات سے اس

کے خلاف کا ایہام ہوتا ہے مگر اسی کتاب، ص: ۲۸، ۶۲، ۱۰۵ میں حنفی مذہب کو ترجیح دی ہے، اصل یہ ہے کہ وہ کسی کی تقلید نہیں کرنا چاہتے تھے اور یہ طبعی چیز تھی، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی مشاہدہ میں ان کو اس پر مجبور کیا گیا جیسا کہ اور بھی بعض اشیاء پر خلاف طبع مجبور کیا گیا، چنانچہ فرماتے ہیں:

”و جبلتی تأبی التقليد و تأنف منه رأساً ، و لكن شیئ طلب منی التعبد به بخلاف نفسی ..... الخ“ (مولانا عبید اللہ سندھی اور تنظیم فکر ولی اللہی، ص: ۵۵)، (بحوالہ فیوض الحرمین: ۱۶۵)۔ اس میں مذاہب اربعہ میں سے کسی کی تخصیص نہیں کی گئی بلکہ دائر رکھا گیا ہے، لیکن، ص: ۲۸، ۶۲، ۱۰۵ میں ترجیح موجود ہے۔

جن مسائل میں دیگر مذاہب کی رعایت موجود ہو اس میں خروج عن الخلاف کو فقہاء نے مستحب لکھا ہے، (حاشیہ): ”الاحتیاط فی الدین مطلوب، و مراعاة الخلاف امر محبوب سواء كان قولاً ضعيفاً في المذهب، او كان مذهب الغير كيف، الخ، (الفوائد المخصصة بأحكام کی الحمصة، فی ضمن رسائل ابن عابدین : ۱ / ۶۱، سھیل اکیڈمی لاہور)۔۔۔ شاہ ولی اللہ صاحب کا عام طریقہ یہی ہے، الا فی بعض المسائل، فإنه عمل بتحقیقه۔

ایک کتاب پر اپنے دستخط کے ساتھ انہوں نے حنفی خود بھی تحریر فرمایا ہے (راجع، ص: ۶۱۹، رقم الحاشیة: ۳)۔۔ جس پر بادشاہ وقت کے بھی دستخط ہیں اور وہ کتاب الہی بخش لا بھریری پٹنہ بہار میں محفوظ ہے۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۱۱/۶۲ھ

کیا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی مقلد تھے؟

سوال:- (۷۵۸) : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ مقلد تھے یا غیر مقلد، اگر مقلد تھے تو ان کا مسلک کیا تھا؟ یہاں بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ غیر مقلد تھے۔ حوالہ کتب معتبرہ سے مدلل بیان فرمائیں۔

### الجواب حامداً ومصلياً :

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علوم واسعہ، افکار عمیقہ، اخلاق فاضلہ، اعمال صالحہ، تزکیہ نفس، طہارت باطن، نسبت قویہ، مکاشفہ صحیحہ کی دولت سے مالا مال تھے۔ جہاں کسی چیز میں کوئی اشکال ہو فوراً روحانیت نبویہ سے حل کر لیا، آثار صحابہ گویا سب کے سب نظروں کے سامنے تھے، ان کے مذاہب سے واقفیت حاصل تھی، ائمہ مجتہدین کے اصول استنباط اور ماخذ مسائل پر پورا عبور تھا، تطبیق بین الروایات میں ملکہ تامہ تھا، نسخ و مسنوخ کے حافظ تھے وغیرہ وغیرہ، ان اسباب کی بناء پر آپ تقلید کی ضرورت محسوس نہیں فرماتے تھے، طبیعت کو اس سے انکار تھا لیکن حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقلید پر مجبور فرمایا، تقلید کے علاوہ اور بھی بعض چیزیں ایسی ہیں کہ تقاضائے طبعی کے خلاف ان پر مامور کئے گئے، چنانچہ لکھتے ہیں:

”وثانیہما : الوصاة بالتقید بہذہ المذاہب الأربعة ، لا أخرج منها ، والتوفیق ما استطعت ، وجبلی تأبی ، وتأنف منه رأسا ، ولكن شیئ طلب منی التبعد منه بخلاف نفسی اھ۔“ (فیوض الحرمین ، ص : ۶۵) (مترجم) تینتیسواں مشاہدہ ، ص : ۲۲۷ ، دارالاشاعت)۔ اس سے مطلق تقلید کے ساتھ مقید ہونا معلوم ہوا، نیز وہ تقلید مذاہب اربعہ میں محصور ہے۔

مذہب حنفی کی ترجیح کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

”عرفنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أن فی المذہب الحنفی طريقة انیقة، وهی اوفق الطرق بالسنة المعروفة التي جمعت ونقحت فی زمان البخاری واصحابه، وذلك ان یؤخذ من اقوال الثلاثة قول اقربهم بها فی المسئلة، ثم بعد ذلك یتبع اختیار الفقهاء الحنفیین الذین من علماء الحدیث، فرب شیء سکت عنه الثلاثة (ابو حنیفة وصاحباه) فی الأصول، وماتعرضوا لنیفه، ودلت الأحادیث علیہ، فلیس بد من أصحابه، والکل مذہب حنفی اھ۔“ (فیوض الحرمین ص: ۲۸) (مترجم) انیسواں مشاہدہ، ص: ۱۷۵، دارالاشاعت)

۱۷۶ھ میں وفات ہے، اسی ۱۷۶ھ میں اخیر مرتبہ بخاری شریف پڑھائی ہے، اور مولوی چراغ صاحب کے لئے سندا اپنے قلم سے لکھی ہے جو کہ بخاری شریف کے ساتھ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے، اس میں اپنے نام کے ساتھ حنفی لکھا ہے اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کی تصدیق ہے کہ یہ میرے والد کی تحریر فرمودہ ہے، نیز شاہ عالم کی مہر بھی اس تصدیق پر موجود ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اخیر تک حنفی رہے، کسی کو یہ کہنے کی مجال نہیں کہ بعد میں غیر مقلد ہو گئے تھے۔ نعوذ باللہ منہ، البتہ حسب وسعت جمع فرماتے تھے، اولہ کی قوت وضعف سے بھی بحث فرمایا کرتے تھے جس سے بعض کو شبہ ہو جایا کرتا تھا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

عالم محقق کے لئے تقلید اور ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف انتقال:

سوال: (۷۶۰) : ۱.... فقہاء کی اصطلاح میں تقلید کے کیا معنی ہیں؟

۲.... کیا حقیقت یہ امر علماء کے یہاں مسلم ہے کہ جو شخص بجائے خود مجتہد ہو اس کے لئے

جائز نہیں کہ وہ دوسرے کی تقلید کرے، بایں معنی کہ ”التقلید العمل بقول من لا یعرف  
دلیلہ“۔

۳.... کوئی شخص اگر خود اجتہاد کے مرتبہ پر فائز نہ ہو، مگر عالم بالکتاب والسنة ہو اور نہ صرف  
عالم ہو بلکہ سنن نبویہ میں نظر بالغ رکھتا ہو، اس کے ساتھ وہ مختلف مذاہب فقہیہ کے فروعی مسائل  
میں تحقیق اور ترجیح کی بھی قابلیت رکھتا ہو ایسے عالم کے لئے ائمہ مذاہب کی تقلید کی کیا صورت  
ہوگی؟ آیا وہ لازمی طور پر ہر حالت میں کسی معین مذہب کے ساتھ وابستہ رہے گا اور کسی حالت  
میں بھی اس کے لئے دوسرے مذہب کی پیروی جائز نہ ہوگی اگرچہ وہ ایک ہی مسئلہ میں ہو، یا  
اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ مختلف مذاہب کے فروعیات پر تحقیقی نظر ڈال کر سب کا علمی جائزہ  
لے، پھر ان مختلف فروعیات میں بھی جو مسئلہ اس کو اوفق بالکتاب والسنة معلوم ہو اس پر عمل  
کرے؟

۴.... بالفرض اگر وہ پہلے سے کسی معین مذہب کا التزام کر چکا ہو تو آیا وہ التزام کے بعد  
دوسرے مذہب فقہی میں کلی یا جزوی طور پر انتقال کر سکتا ہے یا نہیں یا ہمیشہ کے لئے اس مذہب  
سے وابستہ رہے گا، جس کا اس نے پہلے التزام کیا ہے؟

۵.... پھر جو شخص عالم بالکتاب والسنة نہ ہو بلکہ عامی ہو، ایسے عامی شخص کے لئے تقلید اور  
ایک مذہب فقہی سے دوسرے مذہب فقہی میں انتقال کرنے کا کیا حکم ہے؟

### الجواب حامدا ومصليا:

(۱) جس شخص پر اعتماد ہو کہ دلیل کے موافق حکم بتائے گا اس کے قول کو تسلیم کر لینا اور

اس سے دلیل کا مطالبہ نہ کرنا تقلید ہے، کذا فی عقد الجید (الحاشیة: ”وامارة هذا

التقلید ان یکون عمله بقول المجتهد کالمشروط بكونه موافقا للسنة“۔

(عقد الجيد فصل سوم ، مسئلہ پنجم ، ص : ۱۲۱ ، ۱۲۲ ، قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی ) .

(۲) راجح قول یہی ہے کہ مجتہد کو دوسرے مجتہد کی تقلید کا حق حاصل ہے، اس لئے کہ اجتہاد تجزی ہے، كما صرح به الشامي - (الحاشية: "قال في التحرير : مسألة : غير المجتهد المطلق يلزمه التقليد وان كان مجتهدا في بعض مسائل الفقه، او بعض العلوم كالفرائض ، على القول بتجزى الاجتهاد ، وهو الحق ، فيقلد غيره فيما لا يقدر عليه“ . (شرح عقود رسم المفتي ، مطلب في معنى قول الأئمة: لا يحل لأحد ان يفتي بقولنا حتى يعلم من اين قلنا؟ ص : ۷۴ ، مير محمد کتب خانہ )

(۳) جب اس کا دامن اجتہاد سے خالی ہے تو اس کو وسعت نظر و علم کے باوجود تقلید شخصی لازم ہے، محض اپنی ذاتی تحقیق کی بناء پر دوسرے مذہب کی پیروی کا حق نہیں، تلفیق بالاجماع باطل ہے، كذا في الدر المختار . (الحاشية: "وان الحكم الملق باطل بالاجماع“ (الدر المختار ، المقدمة : ۱ / ۷۵ ، سعيد) . اس کا اجتہاد سے محروم ہونے کے باوجود کسی مسئلہ کو اوفق بالكتاب والسنة قرار دینا اپنے منصب سے بڑھ کر بات ہے۔

(۴) جس اعتماد کی بناء پر ایک امام کی تقلید کی تھی اگر وہ اعتماد وسعت نظر و علم کی بناء پر وہاں سے ختم ہو کر دوسرے امام کے ساتھ قائم ہو گیا ہے تو کلیۃً انتقال مذہب کی اجازت ہے۔ جزوی انتقال میں تلفیق کا مفسدہ ہے كذا في الحموی . (الحاشية: "لم اجده في الحموی على الاشباه : وقال في مقدمة اعلاء السنن : "قال صاحب جامع الفتاوى من الحنفية : يجوز للحنفي ان ينتقل الى مذهب الشافعي وبالعكس

لكن بالكلية ، اما في مسألة واحدة فلا يمكن “ . ( ذكر الشروط الثلاثة لجواز الانتقال : ٢ / ٢٢٤ ، ادارة القرآن كراچی ) . وفي رد المحتار : ” ولوان رجلا برئ من مذهبه باجتهاد وضح له ، كان محمودا ماجورا “ . ( كتاب الشهادات ، باب التعزير ، مطلب فيما اذا ارتحل الى غير مذهبه : ٢ / ٨٠ ، سعيد )

( ٥ ) اس کی اجازت نہیں ۔ یہ اتباع ہوئی اور تلعب ہے ، عقد الجید ، انصاف ، سبیل الرشاد ، الاقتصاد ، انتصار الحق ، تیسیر ، تقریر و التحمیر میں تفصیلی دلائل مذکور ہیں ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

( الحاشية : ) عقد الجید ( مترجم اردو ) تاکید الاخذ بهذه المذاهب

الاربعة : ٥٣ ، ٤٣ ، ١٣٣ ، ١١٢ ، قرآن محل كراچی )

( الحاشية : ) ( الانصاف في بيان اسباب الاختلاف ، التقليد في

المذاهب الاربعة ، ص : ٩٤ ، ١١١ ، دار النفائس ) .

( الحاشية : ) ( سبيل الرشاد ، قول ششم ص : ٥١٤ ، ٥٣٢ ، اداره

اسلاميات لاهور )

( الحاشية : ) ( الاقتصاد في التقليد والاجتهاد ، مقصد چهارم ص :

٣٠-٥٥ ، اداره اسلاميات لاهور )

( الحاشية : ) ( انتصار الحق ، اثبات تقليد امام معين کے دلائل ، ص : ١٢٠ ،

١٩٢ ، مطبع صدیقی ، بریلی )

( الحاشية : ) ( تيسير التحرير ، مسئله : لا يرجع المقلد فيما قلده فيه ،

الجزء الرابع ، ص : ٢٥٣ ، ٢٥٥ ، مصطفى البابی )



( الحاشية: ) (التقرير والتحبير، مسئله: غير المجتهد المطلق يلزمه

التقليد: ۳/۳۲۲، ۳۲۵، ومسئله: لا يرجع المقلد فيما قلده فيه: ۳/۳۵۰،

۳۵۵، عباس احمد الباز مكة المكرمة)

حنفی کو کسی اور کے قول پر عمل کرنا کیا تقلید کے خلاف ہے؟

سوال:- (۷۱) : تقلید کی تعریف کیا ہے؟ اگر امام ابو یوسف و زفر رحمہما اللہ تعالیٰ

کے قول پر عمل کرے تو کیا اس صورت میں بھی حنفی رہے گا؟ بوقت ضرورت شوافع و مالکیہ کے

قول پر (مثلاً مسئلہ مفقود) عمل کرنے سے حنفی رہے گا یا نہیں؟ جب کہ وہ دوسرے امام کے قول

پر عمل کر رہا ہے؟ سائل محمد بشیر رنگونی ۵/صفر ۵۳ھ۔

**الجواب حامدا ومصليا:**

غیر مجتہد کا قول مجتہد کو اختیار کرنا اس اعتماد پر کہ اس کے پاس اس کی دلیل ہے اور اس

سے دلیل طلب نہ کرنا یہی تقلید ہے۔ (الحاشية: ) تحفة العلماء، باب چهارم، تقلید کا بیان

۲/۲۸۴، ادارہ تالیفات اشرفیہ)

امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے اصول جن کو ان کے تلامذہ نے مفصلاً بیان کیا اور ان پر

مسائل متفرع ہوئے خواہ وہ مسائل امام اعظم سے بالتصریح منقول ہوں یا نہ ہوں ان کو ماننے

والا اور ان پر عمل کرنے والا حنفی ہے، امام صاحب کے تلامذہ کے اقوال بھی امام صاحب ہی کے

اقوال ہیں، خواہ وہ صراحتاً ہوں خواہ التزاماً، لہذا مواقع مخصوصہ میں ان پر عمل کرنے سے حنفیت

سے خروج نہ ہوگا۔

بعض دفعہ واقعات اور حوادث کے تغیر سے حکم بدل جاتا ہے جیسے متاخرین نے

دیکھا کہ اگر آج امام صاحب ہوتے تو فلاں مسئلہ میں یہ حکم دیتے لہذا متاخرین نے وہی حکم دیا،

خواہ وہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا قول ہو یا کسی دوسرے کا۔ اس قسم کا تغیر حج نفل وصدقہ کی افضلیت وغیرہ کا خود امام صاحب کے زمانہ میں بھی ہوا ہے، لہذا اس سے حنفیت میں فرق نہیں آتا۔ والبسط فی عقود رسم المفتی لابن عابدین۔ (الحاشیة: ”وفی الولوالجیة من کتاب الجنایات : قال ابو یوسف : ما قلت قولا خالفت فیہ ابا حنیفة الا قولا قد کان قالہ، وروی انہ قال : ما خالفت ابا حنیفة فی شیء الا قد قالہ ثم رجع عنہ، فهذا اشارة الى انهم ما سلكوا طريق الخلاف ، بل قالوا ما قالوا عن اجتهاد ورأى اتباعا لما قاله استادهم ابو حنیفة، انتهى)

... قالوا ما قلنا فی مسألة قولا الا وهو روايتنا عن ابی حنیفة ، واقسموا

علیہ ایمانا غلاظا ، فلم يتحقق اذن فی الفقه جواب ولا مذهب الا له کیف ما کان ، وما نسب الی غیرہ الا بطریق المجاز للموافقة.

(وقال بعد صفحتین) : والحاصل ان ما خالف فیہ الاصحاب امامهم

الاعظم لا یخرج عن مذهبہ اذا رجحه المشائخ المعتبرون ، وكذا ما بناه المشائخ علی العرف لتغیر الزمان او للضرورة و نحو ذلك لا یخرج عن مذهبہ ایضا.

باعتبار انہ لو کان حیا لقال بما قالوہ، انما هو مبني علی قواعده ایضا.

(شرح عقود رسم المفتی ، مطلب : اقوال اصحاب الامام فی الحقیقة اقوالہ،

ص : ۶۵-۶۸، میر محمد کتب خانہ) حررہ العبد محمود گنگوہی، ۸/۲/۵۳ھ الجواب صحیح:

سعید احمد صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، ۵/صفر/۵۳ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۲/۶۱۶ تا ۶۲۷)

## سہولت و آسانی (جبکہ خواہش نفسانی نہ ہو)

ماقبل میں ابن ہمام اور ابن امیر بادشاہ کے حوالے سے گذر چکا (اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا بیان تفصیل سے گذر چکا) لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اس موقع پر اس سے پہلے اسکی مخالف رائے پر عمل نہ کر چکا ہو، آپ ﷺ بھی وہ بات پسند فرماتے تھے جس میں امت کیلئے آسانی ہو۔ بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ آپ امت کیلئے آسانی پسند فرماتے تھے۔ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

(و یتخرج) ای یستنبط (منہ) ای من جواز اتباع غیر مقلدہ الاول و عدم التضييق عليه (جواز اتباع رخص المذاهب) ای اخذہ من المذاهب ما هو الاھون عليه فيما يقع من المسائل (ولا يمنع منه مانع شرعی اذ لا انسان ان یسلک) المسلک (الاخف عليه اذا كان له) ای للانسان (اليه) ای ذلک المسلک الاخف (سبیل) ثم بین السبیل بقول (بان لم یکن عمل باخر) ای بقول آخر مخالف لذلك الاخف (فيه) ای فی ذلک المحل المختلف فيه (و كان ﷺ يحب ما خفف عليهم) فی صحیح البخاری عن عائشة رضی اللہ عنہا بلفظ منهم وفي رواية بلفظ ما يخفف عنهم ای امتہ و ذکر و اعدۃ احادیث صحیحۃ دالۃ علی هذا المعنی .

(تیسیر التحریر: ۲/۵۴)

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں: میرا خیال ہے کہ فقہاء کی عبارتوں میں یہ تعارض حقیقی تعارض نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق ان دو مختلف صورتوں سے ہے کہ اگر فقہاء ایسے تفردات اور نوادروا اپنے عمل کی بنیاد بنائیں جو امت کے سوا داعظم کی رائے

اور مسلک کے خلاف ہو تب تو یہ صحیح نہیں، ورنہ اگر امت کو کسی تنگی سے نکالنا اور کوئی سہولت پیدا کرنا مقصود ہو تو اس کی اجازت ہے، کتب فقہ میں کثرت سے اس کی نظیریں موجود ہیں۔

مزارعت اور مساقات وغیرہ کی اجازت اسی قبیل سے ہے، اسی لئے علامہ شامی نے مسافرین کے لئے جمع بین الصلوٰتین کی اجازت بھی دی ہے، علامہ ابن ہمام مختلف مذاہب کے رخصتوں کی پیروی کے جائز ہونے کی طرف گئے ہیں۔ (قاموس الفقہ: ۵۰۵/۲-۵۱۲)

اگر تفردات اور نوادرات کو اپنے عمل کی بنیاد بنائے جو امت کے سواد اعظم کی رائے کے خلاف ہو تو صحیح نہیں، ورنہ اگر کسی تنگی سے نکالنا ہو تو اسکی اجازت ہے، کتب فقہ میں اسکی بہت سی نظیریں ہیں۔

قاضی شوکانی فرماتے ہیں: امالو اختار المقلد من کل مذہب ماہو الاہون علیہ والاحف لہ فقال ابو اسحاق المروزی یفسق وقیل ابن ابی ہریرة لایفسق، وفي السنن للبیہقی عن الاوزاعی: من اخذ بنوادر العلماء خرج عن الاسلام .

وقال الامام احمد ابن حنبل: لو ان رجلا عمل بقول اهل الكوفة واهل المدينة فی السماع واهل مكة فی المتعة كان فاسقا.

(ارشاد الفحول: ۲۴۰/۳)

ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ولا ريب ان التزام المذاهب والخروج عنها ان كان لغير ديني مثل ان يلتزم مذهباً لوصول غرض دنيوي من مال او جاه ونحو ذلك فهذا مما لا يحمد عليه بل يذم عليه في نفس الامر ولو كان ما انتقل اليه خيراً مما انتقل عنه وهو بمنزلة من يسلم لا يسلم الا لغرض دنيوي او يهاجر من مكة الى المدينة لامرأة يتزوجها او دينا يصيبها .

(الفتاوى الكبرى: ج ۲، ص ۲۳۸)

علامہ حافظ ابن حجر مکیؒ الفتاویٰ الحدیثیہ میں فرماتے ہیں:

(مطلب : من قلد غیر إمام)

وسئل نفع اللہ بہ : هل لمقلد الشافعی رضی اللہ عنہ مثلا أن یقلد غیرہ بعد العمل وقبلہ مع تتبع الرخص أولا ، وقد صرح الآمدی وابن الحاجب بامتناعہ بعد العمل اتفقا؟

فأجاب بقوله : لمقلد غیر إمامہ أحوال ذکرها السبکی أخذًا من

کلامهم :

أحدها : أن یعتقد رجحان مذهب الغير فی تلك المسئلة فيجوز اتباعا

للراجح فی ظنه .

الثانية : أن یعتقد رجحان مذهب إمامہ أولا یعتقد رجحان واحد منهما

فيجوز أيضا سواء قصد الاحتياط لدينه مثلا كالحيلة إذا قصد بها التخلص من الربا كبيع الجمع بالدرهم وشراء الخبيث بها ، ولا كراهة حينئذ بخلاف الحيلة على غير هذا الوجه فإنها مكروهة .

الثالثة : أن یقصد بتقليده الرخصة فيما دعت حاجته إليه فيجوز أيضا

إلا أن یكون یعتقد رجحان مذهب إمامہ وأنه یجب تقليد الأعم .

الرابعة : أن یقصد مجرد الترخص من غير أن یغلب على ظنه رجحانہ

فیمتنع كما قاله السبکی . قال : لأنه حينئذ متبع لهواه لا للدين .

الخامسة : أن یكثر منه ذلك بحيث یصير متبعا للرخص بأن یأخذ من

كل مذهب بالأسهل منه ، فیمتنع أيضا لأنه یشعر بانحلال ربقة التكليف .

السادس : أن يجتمع من ذلك حقيقة مركبة ممتعة بالإجماع فيمتنع كأن يقلد شافعي مالكا في طهارة الكلب ويمسح بعض رأسه لأن صلاته حينئذ لا يقول بها مالكا لعدم مسح كل الرأس ولا الشافعي لنجاسة الكلب؛ وزعم الكمال ابن الهمام جواز نحو ذلك ضعيف وإن برهن عليه .

السابعة : أن يعمل بتقليده الأول ويستمر على آثاره ثم يريد أن يقلد غير إمامه مع بقاء تلك الآثار كحنفي أخذ بشفعة الجوار عملا بمذهبه ثم تستحق عليه فيريد العمل بمذهب الشافعي فلا يجوز لتحقيق خطئه إمامي الأول أو الثاني مع أنه شخص واحد مكلف . (الفتاوى الحديشية لابن الحجر المكي: ص / ١١٣، ١١٤)

علامہ ابن حجر مکیؒ اپنے امام کے مذہب کے علاوہ کی تقلید کرنے والے کے مختلف احوال ذکر کرتے ہیں:

(۱) مذہب غیر کے رجحان کا اعتقاد ہو (اس مسئلہ میں) تو اسکے گمان میں جو رائج ہے اسکی اتباع جائز ہے۔

(۲) اپنے مذہب کے امام کے رجحان کا اعتقاد ہو یا دونوں میں سے کسی کے رجحان کا اعتقاد نہ ہو تو بھی اپنے دین میں احتیاط کے پیش نظر جائز ہے۔ جیسے حیلہ کے ذریعہ سود سے بچنے کا قصد ہو۔ اس وقت کراہت نہیں ہے۔ اس وجہ کے علاوہ سے حیلہ کرنا، پس وہ مکروہ ہے۔

(۳) اسکی حاجت کیلئے بطور رخصت کے تقلید کرنا وہ بھی جائز ہے مگر یہ کہ اپنے امام کے مذہب کے رائج ہونے کا اعتقاد ہو، اور یہ کہ علم کی تقلید واجب ہے۔

(۴) صرف رخصت کا قصد کرے، بغیر اس دلیل کے رائج ہونے کے اس سے روکا

جائے گا جیسے کہ علامہ سبکیؒ نے فرمایا کیونکہ وہ اسوقت اپنی خواہشات کا تابع ہوا نہ کہ دین کا۔  
 (۵) کثرت سے وہ رخصت کا ہی متلاشی ہو، اس طور پر کہ ہر مذہب سے اسہل قول کو ہی اپنائے، اس سے بھی روکا جائے گا کیونکہ یہ تکلیف کی رسی کو گردن سے اتارنا معلوم ہوتا ہے۔  
 (۶) اس کے ساتھ ہر مذہب سے ایسے مسائل کو جمع کرے جو بالا جماع ممتنع ہوں تو اس سے بھی روکا جائیگا۔ جیسے کوئی شافعیؒ کتے کی پاکی میں امام کی تقلید کرے اور بعض سر کا مسح کرے۔ کیونکہ اسوقت اسکی نماز بعض سر کے مسح کی وجہ سے مالکیہ کے یہاں اور کتے کی نجاست کی وجہ سے شافعیہ کے یہاں بھی صحیح نہیں ہوگی۔ (علامہ ابن ہمامؒ نے نماز کے جواز کا دعویٰ کیا ہے، وہ ضعیف ہے اگرچہ اس پر دلیل قائم کی ہے۔)

(۷) اولاً ایک مسلک پر عمل کرے اور اسی پر باقی رہے پھر ایک مدت کے بعد دوسرے امام کی پیروی کرے ان ہی مسائل پر باقی رہتے ہوئے مثلاً حنفی نے کوئی مکان یا جائداد شفعہ کے جواز کی وجہ سے لی، پھر اس پر کوئی مستحق نکل آیا، اب وہ مذہب شافعی پر عمل کرنا چاہے تو اب جائز نہیں ہے، اسکی خطا کے ثابت ہونے کی وجہ سے مذہب اول میں یا مذہب ثانی میں، باوجود کہ وہ ایک ہی مکلف شخص ہے۔ (فتاویٰ حدیثیہ: ص ۱۱۳-۱۱۴)

### افتاء بمذہب الغیر کے لئے مفتی کے شرائط:

ضرورت شرعی کی تعیین اور تعیین کرنے والے کے کیا اوصاف ہونے چاہئے؟ اسکو مولانا

رشید احمد صاحب احسن الفتاویٰ میں بیان فرماتے ہیں:

(۱) ضرورت شرعی سے مراد وہ ضرورت ہے جسے علماء راسخین فی العلم جو کہ تقویٰ

وطہارت کی صفات عالیہ سے متصف ہوں وہ ضرورت قرار دیں، اگر وہ واقعی ضرورت سمجھیں کہ

اس وقت مذہب غیر پر عمل کئے بغیر چارہ نہیں ہے تو وہ ضرورت شرعی سمجھی جائے گی، اور اس وقت

مذہب غیر پر بقدر ضرورت عمل جائز ہوگا۔ ضرورت کی تعیین ہر مسئلہ اور واقعہ میں الگ ہوگی اور عوام تو عوام ہی ہے؛ عام علماء کو بھی اسکی تعیین کی اجازت نہیں، اسکا فیصلہ صرف راسخین فی العلم متقی علماء ہی کر سکتے ہیں جو شاذ و نادر ہیں، اسکی واضح مثال مسئلہ مفقود ہے کہ علماء نے جب مذہب مالکیہ پر فتویٰ دینے کی ضرورت محسوس کی تو اس کا فتویٰ صادر فرمایا لیکن اس میں احتیاط کے تمام پہلو مد نظر رکھ کر یہ فیصلہ دیا گیا۔ (احسن الفتاویٰ: ج ۱، ص ۴۲۰)

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: اور ضرورت وہی معتبر ہے جسکو علماء اہل بصیرت ضرورت سمجھیں، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ فتویٰ دینے والا ایسا شخص ہو جس نے کسی ماہر استاذ سے فن حاصل کیا ہو اور اہل بصیرت اسکو فقہ میں مہارت تامہ حاصل ہونے پر شہادت دیتے ہوں، کما قال الشامی فی شرح عقود رسم المفتی: فان المتقدمین شرطوا فی المفتی الاجتهاد وهذا مفقود فی زماننا فلا اقل من أن یشرط فیہ معرفة المسائل بشروطها وقيودها التي كثيراً ما یسقطونها ولا یصرحون بها اعتماداً علی فهم المتفقہ وکذا لا بد من معرفة عرف زمانہ واحوال اہلہ والتخريج فی ذلک علی استاذ ماہر الخ.. ص ۴۶. اور اس زمانہ پر فتن میں یہ دونوں باتیں جمع ہونا یعنی کسی ایک شخص میں دین کامل اور مہارت تامہ کا اجتماع نایاب ہے، اس لئے اس زمانہ میں اطمینان کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ کم از کم دو چار محقق علماء دین کے کسی امر میں ضرورت کو تسلیم کر کے مذہب غیر پر فتویٰ دیں، بدون اسکے اس میں اقوال ضعیفہ اور مذہب غیر کو لینے کی اجازت دی جائے، تو اس کا لازمی نتیجہ ہم مذہب ہے کما لا یخفی.

(الحیلة الناجزة: ص ۴۶)

دوسری جگہ فرماتے ہیں: اور اس زمانہ میں احتیاط اس طرح ہو سکتی ہے کہ جب تک محقق



ومتدین علماء کرام میں سے متعدد حضرات کسی مسئلہ میں ضرورت کا تحقق تسلیم کر کے دوسرے امام کے مذہب پر فتویٰ نہ دیں اس وقت تک ہرگز اپنے امام کے مذہب کو نہ چھوڑے کیونکہ مذہب غیر کو لینے کے لئے یہ شرط ہے کہ اتباع ہوئی کی بناء پر نہ ہو، بلکہ ضرورت داعیہ کی وجہ سے ہو۔ (الحیلة الناجزة: ص ۴۶)

علامہ آمدی فرماتے ہیں: من لیس بمجتهد هل تجوز له الفتوى بمذهب غيره من المجتهدين كما هو المختار في زماننا هذا؛ اختلفوا فيه، فذهب ابو حسين البصري وجماعة من الاصوليين الى المنع من ذلك لانه انما يسئل عما عنده ولانه لو جازت الفتوى بطريق الحكاية عن مذهب الغير لجاز ذلك للعامة وهو محال مخالف للاجماع، ومنهم من جوزه اذا ثبت ذلك عنده من يوثق بقوله، والمختار انه اذا كان مجتهداً في المذهب بحيث يكون مطلعاً على مأخذ المجتهد المطلق الذي يقلده وهو قادر على التفريع على قواعد امامه واقواله متمكن من الفرق والجمع والنظر والمناظرة في ذلك كان له الفتوى تميزاً له على العامة، دليله انقطاع الاجماع من اهل كل عصر على قبول مثل هذا النوع من الفتوى وان لم يكن كذلك فلا. (الاحكام للآمدی: ج ۴، ص ۳۱۵)

ابن تیمیہ فرماتے ہیں: وقال ابو محمد: لا يجوز ان يفتى بمذهب غيره اذا لم يكن متبحراً فيه عالماً بغوامضه وحقائقه كما لا يجوز للعامة الذي جمع فتاوى المفتيين ان يفتى بها واذا كان متبحراً فيه جاز ان يفتى به.

اذا سئل المجتهد عن الحكم لم يجز له ان يفتى بمذهب غيره لانه

انما سئل عما عنده فان سئل عن مذهب غيره جاز له ان يحكيه لان العامي يجوز له حكاية قول غيره ولا يجوز له ان يفتي بما يجده في كتب الفقهاء ولا بما يفتيه فيه فقيه وهذا قول ابي الخطاب .

قال :المفتي المنتسب الى مذهب امام هل له ان يفتي بمذهب آخر؟  
ان كان ذا اجتهاد فاداه اجتهاده الى مذهب امام آخر اتبع اجتهاده وان كان اجتهاده مشوب بشي من التقليد نقل ذلك الشوب (من التقليد) الى ذلك الامام الذي اذاه اجتهاده اليه ثم اذا افتى بين ذلك في فتواه وذكر العمل بمثل ذلك القفال والمروزي والحلواني انه انكر مثل ذلك على الغزالي .  
(المسودة في اصول الفقه لابن تيمية : ص / ٢٨٨، ٢٨٥، ٢٨٦ تيسير التحرير امير بادشاه : ج / ٢، ص / ٢٢٩، الموافقات للشاطبي : ج / ٢، ص / ١٥٠)

علامہ آمدی مفتی کے اوصاف ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

واما المفتي فلا بد ان يكون من اهل الاجتهاد، وان يكون مع ذلك عارفاً بالادلة السمعية وانواعها واختلاف مراتبها في جهات دالاتها والناسخ والمنسوخ والمتعارضات وجهات الترجيح فيها وكيفية استثمار الاحكام منها، وان يكون عدلاً ثقة حتى يوثق به فيها يخبر عنه من الاحكام الشرعية، ويستحب له ان يكون قاصداً للارشاد وهداية العامة الى معرفة الاحكام الشرعية لاجهة الرياء والسمعة، متصفاً بالسكينة والوقار ليرغب المستمع في قبول مايقول، كافاً نفسه عما في ايدي الناس حذراً من التنفير عنه.

(الإحكام في أصول الأحكام: ۲۹۸/۴)

علامہ شوکانی فرماتے ہیں:

قال ابن السمعاني: المفتي من استكمل فيه ثلاث شرائط؛ الاجتهاد

والعدالة والكف عن الترخيص والتساهل. (ارشاد الفحول: ۲۳۸/۳)

ارباب افتاء سے رجوع :-

اس پرفتن دور میں جبکہ تبحر علمی اور تفقہ فی الدین کا فقدان ہے قرآن و حدیث اور تعامل صحابہ و ائمہ کرام سے معلوم ہوتا ہے کہ جدید مسائل اور پیش آمدہ غیر منصوص صورتوں کو حل کرنے کیلئے اجماعی و شورائی طریقہ ہی اپنایا جائے۔

آیت کریمہ و مشاور ہم فی الامر کے ماتحت امام رازی فرماتے ہیں:

وهذا كان مأمورًا بالاجتهاد فلهذا كان مأمورًا بالمشاورة، وقد

مشاور ہم یوم بدر فی الاساری وکان من امور الدین. (تفسیر کبیر: ۶۹/۴)

بعض روایت میں ہے: فقد اخرج ابن جریر عنه انه قال: امر الله نبيه ان

يشاور اصحابه في الامور وهو ياتيه وحى السماء. (روح المعاني: ۱۰۶/۴)

قرآن کریم نے مؤمنین کے اوصاف میں سے و امر ہم شوری بینہم فرمایا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں بالترتیب مرتدین سے قتال، دادا

کی میراث اور شراب کی سزا کے بارے میں صحابہ کرام نے اجماعی طریقہ سے مسائل حل

فرمائے۔

اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آ جاوے جو قرآن و سنت سے معلوم نہ ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا

: اجمعوا له العالمين او قال العابدین من المؤمنین فاجعلوه شوری بینکم ولا

تَقْضُوا فِيهِ بِرَأْيٍ وَاحِدٍ. (اعلام الموقعين : ج / ۱، ص / ۶۵)

طبرانی میں بھی اسی طرح کی روایت ہے۔

تفسیر قرطبی میں ہے:

اما الصحابة فكانوا يتشاورون في الاحكام ويستنبطونها من الكتاب

والسنة واول ماتشاور فيه الصحابة الخلاف وتشاوروا في اهل الردة :

(قرطبی : ج / ۱۶، ص / ۳۷)

امام رازی فرماتے ہیں:

كان وقعت بينهم واقعة اجتمعوا وتشاوروا فاثني الله عليهم اي لا

ينفردون برأى بل مالم يجتمعوا عليه لا يقدمون عليه.

(تفسیر کبیر : ج / ۲۷، ص / ۱۷۷)

صحابہ کرام کی طرح حضرات تابعین بھی مشورہ اور اجتماعی طریقہ سے مسائل حل کرتے

تھے۔

مدینہ منورہ میں فقہاء کرام کی جماعت موجود تھی جنکو فقہاء اہل مدینہ کہا جاتا تھا، جب کوئی

مسئلہ پیش آتا تو یہ سب ملکر غور و خوض کر کے فیصلہ فرماتے، انکی تحقیق کے بغیر کوئی قاضی فیصلہ نہ

کرتا تھا۔ (تہذیب التہذیب : ۳ / ۴۲۷)

امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں تو مشہور ہے کہ اپنے مذہب حنفی کو شورائی طریقہ سے ہی

مدون فرمایا، بحر الرائق میں ہے، ولولم يجد من المتأخرين مجتهدا برأيه اذا كان

يعرف وجوه الفقه ويشاور اهله. (كتاب القضا: ۶ / ۲۶۸)

فتاویٰ عالمگیری بھی اسی شورائی محنت و کاوش کا ثمرہ ہے، حضرت تھانویؒ نے اپنے

شاگردوں اور علماء کرام سے مشورہ کر کے مسائل کا استنباط فرمایا۔

ماضی قریب میں جمعیت العلماء کے زیر نگرانی اللجنة الفقهية قائم ہوئی تھی جس کے لئے اجلاس منعقد ہوئے، حضرت مفتی کفایت اللہ کے مشورہ سے بعض مسائل میں تحقیق بھی ہوئی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا یوسف بنوری اور دیگر علماء کرام نے ملکر مجلس شوری منعقد کی تھی، سعودیہ میں بھی مجلس ہیئتہ کبار العلماء اجتماعی مسائل کے حل کیلئے قائم ہے، ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس تحقیقات و نشریات نے بھی کئی مسائل حل کئے ہیں، فقہ اکیڈمی، دہلی، جدہ، مکہ مکرمہ اور ادارۃ المباحث الفقهیہ بھی الحمد للہ وقت کے اہم اور ضروری مسائل کو شورائی طریقہ سے حل کرنے کیلئے قائم ہوئی ہیں۔

تلفیق : لغوی معنی لفقت الثوب الفقتہ لفقاً وهو ان تضم شقة الى اخرى فخطهما یعنی کپڑے کے ایک کنارہ کو دوسرے کنارہ کے ساتھ ملا کر سی دینا۔ ولفق الشقین یلفقهما لفقاً ضم احدہما الى الآخری فخطهما والتلفیق اعم۔  
(لسان العرب : ج / ۱۰، ص / ۳۳۱)

التلفیق فی الثیاب مبالغۃ فی اللفق، قلت: ومنہ اخذ التلفیق فی المسائل. (تاج العروس: ۶۲/۷)

الفواعل الفقهیہ میں ہے: هو تتبع الرخص عن الهوی. (ص: ۲۳۶)  
اصطلاحی تعریف: القیام بعمل یجمع فیہ بین عدة مذاهب حتی لا یمکن اعتبار هذا العمل صحیحاً فی ای مذهب من المذاهب ایک عمل میں دو مسئلوں میں دو مختلف فقہاء کی رائے کو اس طرح قبول کرنا ہے کہ بحیثیت مجموعی وہ عمل ان میں سے کسی کے نزدیک بھی درست قرار نہ پائے۔ (معجم لغة الفقهاء: ۱۴۴) اگر دو علیحدہ مسئلوں میں

مختلف فقہاء کی رائے پر عمل کیا جاوے تو وہ دونوں ایک دوسرے سے منسلک اور وابستہ ہوں اسکا شمار تلفیق میں نہ ہوگا۔ مثلاً فقہ شافعی کے اصول پر کپڑے پاک کئے اور فقہ حنفی کی رعایت کرتے ہوئے نماز اداء کی تو کپڑے کی پاکی فقہ حنفی میں اور نماز کی صحت فقہ شافعی میں تسلیم شدہ نہ ہو، پھر بھی یہ عدول درست ہوگا۔

الممنوع ان یرتکب حقیقة ممتنعة فی مسألة واحدة لا فی مسألین  
کما اذا طهر الثوب بمذهب الشافعی و صلی بمذهب ابی حنیفة.

(عقد الجید : ص / ۶۲)

ایک ہی مسئلہ میں دو الگ الگ مواقع پر مختلف فقہاء کی تقلید کی تب بھی کچھ مضائقہ نہیں، مثلاً ایک دن ایک فقہ کے مطابق نماز ادا کی، دوسرے دن دوسرے فقہ کے مطابق۔ (شامی ج ۱، ص ۵۶)

در مختار میں ہے: وان الحکم الملق باطل بالاجماع. علامہ شامی اسکی شرح میں فرماتے ہیں:

المراد بالحکم الحکم الوضعی كالصحة مثاله متوضی سال من بدنه  
دم لمس امرأة ثم صلی فان صحة هذه الصلوة ملفقة من مذهب الشافعی  
والحنفی والتلفیق باطل فصحته منتفیة. (وان الرجوع عن التقليد بعد العمل  
باطل اتفاقاً)

خرج بذلك المحقق ابن الهمام فی تحريره ومثله فی اصول الآمدی  
وابن الحاجب و جمع الجوامع وهو محمول كما قال ابن حجر والرملى فی  
شرحها علی المنهاج وابن قاسم فی حاشيته علی ما اذا بقى من آثار الفعل

السابق اثر يؤدي الى تلفيق العمل بشئ لا يقول به كل من المذهبين كتقليد الشافعي في مسح بعض الرأس ومالك في طهارة الكلب في صلاة واحدة وكما لو افتى ببيونة زوجته بطلاقها مكرها ثم نكح اختها مقلدا للحنفي بطلاق المكره ثم افتاه شافعي بعدم الحنث فيمتنع عليه ان يطأ الأولى مقلدا للشافعي والثانية مقلدا للحنفي او هو محمول على منع التقليد في تلك الحادثة بعينها لا مثلها كما صرح به الامام السبكي وتبعه عليه جماعة وذلك كما لو صلى طهراً بمسح ربع الرأس مقلدا للحنفي فليس له ابطالها باعتباره لزوم مسح الكل مقلداً للمالكي .

(شامی : ج / ۱ ، ص / ۵۶)

درمختار میں ہے:

”تلفیق شدہ حکم اجماع کی بنیاد پر باطل ہے، اور عمل کے بعد تقلید سے رجوع کرنا بھی بالاتفاق باطل ہے اور یہ پسندیدہ مذہب ہے، اور اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ سرے سے نافذ نہ ہوگا، جیسا کہ ”قنیہ“ میں مذکور ہے۔ (درمختار مع ردالمحتار ۱/ ۷۵)

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک با وضو شخص کے بدن سے خون بہہ پڑا اور اس نے کسی عورت کو چھو دیا، پھر نماز پڑھی تو اب اس نماز کو درست قرار دینا شافعی اور حنفی مذہب سے مرکب ہے اور تلفیق باطل ہے، لہذا نماز بھی صحیح نہیں ہوگی۔ (ردالمحتار ۱/ ۷۵)۔

علامہ ابن عابدین ”حاشیہ ردالمختار“ میں لکھتے ہیں:

”قوله وانہ الرجوع عن التقليد“ محقق ابن ہمام نے اپنی کتاب ”التحریر“ میں اس کی تصریح کی ہے کہ آمدی اور ابن حاجب کے ”جمع الجوامع“ میں ایسا ہی ہے اور جیسا کہ

ابن حجر اور ربلی نے منہاج کی شرح میں اور ابن القاسم نے اپنے حاشیہ میں لکھا ہے، اور اس کی رو سے یہ اس صورت پر محمول ہوگا، جب کہ فعل سابق کا کوئی ایسا اثر باقی رہے جو تلفیق عمل کی اس صورت تک پہنچادے جس کا دونوں مذہب میں سے کوئی قائل نہ ہو، مثلاً: ایک ہی نماز میں سر کے بعض حصہ میں مسح کرنے میں امام شافعیؒ کی تقلید کرنا اور کتے کے پاک ہونے میں امام مالکؒ کی تقلید کرنا، اسی طرح اگر کسی مکرہ شخص نے مجبوراً اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور مذہب حنفی کی بنیاد پر اس کی بیوی کی جدائی کا فتویٰ دیا گیا، پھر اس نے مذہب حنفی کی رو سے اپنی مطلقہ کی بہن سے نکاح کر لیا، پھر کسی شافعی نے اسے طلاق کے عدم وقوع کا فتویٰ دیا تو اس کے لئے جائز نہ ہوگا کہ مذہب شافعی کی پیروی کرتے ہوئے پہلی بیوی سے وطی کرے، اور مذہب حنفی کی پیروی کرتے ہوئے پہلی بیوی سے وطی کرے، اسے بعینہ اسی واقعہ میں تقلید کے ممنوع ہونے پر محمول کیا جائے گا، نہ کہ اس جیسے دوسرے مسائل میں، جیسا کہ امام سبکی نے اس کی تصریح کی ہے اور ایک جماعت نے اس سلسلہ میں ان کی اتباع کی ہے، لیکن بایں ہمہ اتفاق کا دعویٰ محل نظر ہے، کیوں کہ اس سلسلہ میں اختلاف منقول ہے، تو حاصل وہی ہوا جس کا میں نے پہلے تذکرہ کیا، یعنی یہ کہ انسان پر کسی متعین مذہب کی اتباع لازم نہیں ہے، اور یہ کہ ایک انسان نے اپنے مذہب کی پیروی کرتے ہوئے جو عمل کیا ہے اس کے مخالف قول پر عمل کرنا کچھ شرائط کے ساتھ جائز ہے، اور ایسے دو حادثوں میں جن میں سے ایک کا دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ہے، دو متضاد قول پر عمل کر سکتا ہے اور دوسرے امام کی تقلید کرنے کی صورت میں اس نے جو عمل کیا ہے بعینہ اسے باطل کرنا اس کے لئے جائز نہیں ہے۔

(رد المحتار ۱/۷۵)۔

عبادات میں اس کی مثال اعضاء وضو کو ملے بغیر دھوئے اور کہے کہ شوافع کی رائے پر عمل



کر رہا ہے اور عورت کو بلا شہوت چھوئے اور وضو نہ کر کے مالکیہ کی رائے اختیار کرتا ہے تو اب بحیثیت مجموعی اسکا وضو نہ مالکیہ کے یہاں درست ہو نہ شوافع کے یہاں باقی رہا۔

اگر بغیر ولی کے، بغیر گواہ کے اور بغیر مہر کے نکاح کرتا ہے اور ہر مسئلہ میں اس فقیہ کی رائے قبول کرتا ہے جسکی رو سے اسکا نکاح درست ہو جائے تو یہ تلفیق ہے۔

تلفیق کے مانعین یہ فرماتے ہیں کہ اسکی وجہ سے خلاف اجماع کی نوبت آتی ہے، مثلاً اگر کوئی قے کر کے عورت کو چھوئے اور قے کے مسئلہ میں شوافع کی اور مسمرأة میں احناف کی اتباع کر کے اپنا وضو درست مانے گا، حالانکہ دونوں اماموں کے نزدیک بالاجماع اسکا وضو ٹوٹ گیا ہے۔

علامہ شامی کا قول ماقبل میں گذر چکا (وان الحکم الملق باطل بالاجماع) لیکن ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے شامی کی تنقید حامد یہ سے شیخ طرطوسی اور ابوالسعود کے بارے میں جواز کا قول نقل کیا ہے، ابن نجیم نے بھی بیع الوقف میں جائز لکھا ہے، بزاز یہ میں بھی تلفیق کو جائز قرار دیا ہے۔

مجوزین کی رائے یہ ہے کہ ہمیں تسلیم نہیں کہ یہ ایسا فارق ہے کہ حکم کے باطل ہونے کا باعث ہوگا اور اسے کیوں کر تسلیم کر لیا جائے، جبکہ بعض شرطوں میں مخالفت تمام شرائط میں مخالفت سے کمتر ہے، لہذا اس کمتر مخالفت کی صورت میں بدرجہ اولیٰ اس عمل کے درست ہونے کا حکم لگایا جائے گا، اور جس کا دعویٰ ہے کہ کوئی وجہ فرق یا کوئی اور دلیل پہلی صورت کے برخلاف تلفیق کے باطل ہونے پر موجود ہے تو اسے دلیل پیش کرنی چاہئے۔

علامہ عبدالرحمن الشربینی جمع الجوامع کی شرح میں فرماتے ہیں:

فیؤخذ من مجموع ما ذکرناہ جواز التقليد و جواز تتبع الرخص علی

الاطلاق بل لا بد من مراعاة ما اعتبره المجتهد في المسئلة التي وقع التقليد فيها بما يتوقف عليه صحتها كي لا يقع في حكم مركب من اجتهادين كما إذا توضع مسح بعض الرأس على مذهب الشافعي ثم صلى بعد لمس مجرد عن الشهوة عند مالك على عدم النقص وهذا عمل من منع التلفيق في التقليد فان معناه في اجزاء الحكم لا جزأيات المسائل فانه جائز كما نقلناه (تقرير الشريبي على جمع الجوامع: ص / ٢٢٠).

سلم الوصول میں ہے: والحق في مسئلة التلفيق انها كمسئلة احداث قول ثالث فيما اذا اختلفوا على قولين فقط فكما ان الحق كما سلف ان المجتهد لا يجوز ان يحدث قولاً ثالثاً إذا خرق اجماع المجتهدين في عصر (سلم الوصول شرح نهاية السؤل: ٢ / ٦٢٩)

الحلیۃ الناجزہ کے حوالے سے گذر چکا کہ ہمارے نزدیک ان اقوال مختلفہ میں سے یہ قول اعدل الاقوال ہے کہ عمل واحد میں تلفیق خارق للاجماع کی اجازت نہ ہو اور دو عمل جدا گانہ ہوں تو ان میں تلفیق کی اجازت دی جائے گو ظاہر خلاف اجماع لازم آتا ہے مثلاً کوئی شخص بے ترتیب وضو کر لے تو شافعیہ کے نزدیک وضو صحیح نہیں اور کوئی شخص ربع رأس سے کم مسح کر لے تو حنفیہ کے نزدیک وضو نہیں ہوتا۔ پس اگر کوئی شخص اس طرح وضو کرے کہ ترتیب کی رعایت نہ ہو اور مسح کرے ربع رأس سے کم کا، تو کسی کے نزدیک بھی وضو نہیں ہوا۔ اور یہ تلفیق خارق اجماع ہے، اور کسی نے وضو میں چوٹھائی سر سے کم کا مسح کیا اور نماز میں فاتحہ خلف الامام نہ پڑھی تو ظاہراً اس صورت میں بھی خرق اجماع لازم آتا ہے کہ وضو شافعیہ کے مذہب پر ہے اور نماز حنفیہ کے مذہب پر مگر وضو جدا گانہ عمل ہے اور نماز جدا اس واسطے یہ تلفیق منع نہیں۔

علامہ عبدالغنی النابلسی تلفیق پر تفصیلی گفتگو فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومتی عمل عبادة او معاملة ملفقة اخذ لها من كل مذهب قولاً لا يقول به صاحب المذهب الآخر فقد خرج عن المذاهب الاربعة واخترع له مذهباً خامساً فعبادته باطلة ومعاملته غير صحيحة وهو متلاعب في الدين وغير عامل بمذهب من مذاهب المجتهدين .

(خلاصة التحقيق في حكم التقليد والتلفيق: ص ۱۷۱)

شیخ مرعی ابن یوسف کرمی جنبلی فرماتے ہیں:

”واضح رہے کہ بہت سے علماء ایسی تقلید کو ناجائز قرار دیتے ہیں جس کے نتیجے میں متعدد مذاہب کی تلفیق لازم آئے، کیونکہ اس صورت کو دونوں مذاہب یا تمام مذاہب باطل قرار دیتے ہیں، مثلاً: ایک شخص نے وضو کیا اور امام شافعیؒ کی تقلید کرتے ہوئے سر کے ایک بال پر مسح کیا، پھر امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرتے ہوئے مس ذکر کیا اس صورت میں تقلید صحیح نہیں ہے، اسی طرح اگر ایک شخص نے وضو میں ایک بال پر مسح کیا اور ائمہ ثلاثہ کی تقلید کرتے ہوئے قرأت خلف الامام کو چھوڑ دیا، یا ائمہ ثلاثہ کی مخالفت کرتے ہوئے پچھنا لگایا اور ان کی تقلید کرتے ہوئے قرأت خلف الامام نہیں کیا، یہ اگرچہ عقلی اعتبار سے ظاہر ہے اور اس کی علت بھی واضح ہے، لیکن اس میں مسلمانوں پر حرج اور مشقت ہے، خاص کر ان عوام پر جن کے بارے میں علماء نے تصریح کی ہے کہ انکے لئے کوئی معین مذہب نہیں ہے، اور بہت سے علماء نے کہا ہے کہ عوام کے لئے ضروری نہیں کہ وہ کسی متعین مذہب کو اختیار کریں، جیسا کہ اسلام کے ابتدائے دور میں یہ لازم نہیں تھا۔

لیکن میرے نزدیک پسندیدہ قول یہ ہے کہ تقلید میں تلفیق جائز ہے، بشرطیہ کہ وہ تتبع

رخص کے ارادہ سے نہ ہو، کیونکہ جو شخص رخصتوں کو تلاش کرتا پھرے اسے فاسق قرار دیا جائے گا، لیکن اگر اتفاقی طور پر ایسی صورت پیش آجائے تو وہ ممنوع نہیں ہے، خاص طور پر ان عوام سے جن کے لئے اس سے احتراز مشکل ہے، تو اگر کسی شخص نے وضو کیا اور امام شافعیؒ کی تقلید کرتے ہوئے سر کے کسی حصہ کا مسح کیا تو اس کا وضو بغیر کسی شک کے صحیح ہے، پھر اگر اس نے مس ذکر کیا اور امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کی تو یہ جائز ہے، کیونکہ اس مقلد کا وضو بالاتفاق صحیح ہے کیونکہ مس ذکر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناقض وضو نہیں ہے، لہذا جب اس نے امام ابوحنیفہؒ کی تقلید اس وضو کے نہ ٹوٹنے میں کی جو امام شافعیؒ کے نزدیک صحیح ہے تو امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرنے کی وجہ سے اس کا وضو اپنے حال پر باقی رہا اور یہ تقلید کا فائدہ ہے اور اس وقت یہ نہیں کہا جائے گا کہ امام شافعیؒ مس ذکر کی وجہ سے اس وضو کو باطل کہتے ہیں، اور امام ابوحنیفہؒ چوتھائی سر کا مسح نہ کرنے کی وجہ سے اسے باطل کہتے ہیں، کیونکہ یہ دونوں الگ الگ مسئلے ہیں، کیونکہ امام شافعیؒ کی تقلید کی رو سے اس وضو کی تکمیل صحیح ہوتی ہے اور مس ذکر کے بعد (جو وضو مکمل ہونے کے بعد پیش آیا) حنفیہ کی تقلید کی رو سے صحیح رہے گا ابوحنیفہؒ کی تقلید صحت وضو کے برقرار رہنے میں ہے نہ کہ ابتدائے صحت میں

“عمدة التحقيق في التقليد والتلفيق، للسعيد الباني : ص / ۱۰۰، بحوالہ

مباحث الفقہیہ : ص / ۱۹۳)

علامہ سفارینی حنبلی نے اپنے استاذ شیخ علامہ حنبلی کی رائے پر سخت تنقید کی ہے،

چنانچہ وہ کہتے ہیں:

”اس مسئلہ میں میری رائے یہ ہے اور میں مشائخ کے مقرر کردہ اصول پر اعتماد کرتے ہوئے کہتا ہوں اور عقل و نقل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ شیخ کی بات سرے سے باطل ہے،

کیونکہ اس میں بہت سے مفاسد اور خطرات ہیں اور اگر اس دروازہ کو کھول دیا جائے تو اس سے شریعت کا فساد اور اکثر محرّمات کا حلال کرنا لازم آئے گا، اور اس دروازے سے زیادہ خطرناک اور کون سا دروازہ ہوگا، جو زنا اور شرب خمر وغیرہ کو جائز کر دے، اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ اس میں زنا کے مباح ہونے کی کیا صورت ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ یہ ممکن ہے کہ ایک مرد کسی ایسی عورت کو مہر کے طور پر کوئی رقم دے جس کا نہ کوئی شوہر ہے نہ وہ عدت میں ہے، یا کسی عاقلہ بالغہ لڑکی کو مہر دے اور اسے اپنی نفسانی خواہش کی تکمیل کے لئے آمادہ کرے اور عورت اس کی بات قبول کرے تو شیخ کے مذکورہ قول کی بنیاد پر اس کا یہ فعل زنا صحیح قرار پائے گا، کیونکہ امام ابوحنیفہ عاقلہ بالغہ کے نکاح کی صحت کے لئے ولی کی شرط نہیں لگاتے تو امام ابوحنیفہ کے قول کی رو سے اس لڑکی کی ولایت صحیح ہوئی، تو اس مسئلے میں وہ امام ابوحنیفہ کی تقلید کرے، اور امام مالک نکاح کی صحت کے لئے گواہوں کی شرط نہیں لگاتے، جیسا کہ ان سے منقول ہے تو اس مسئلے میں امام مالک کی تقلید کرے تو استاذ مرحوم کے مقرر کردہ اصول کی روشنی میں اس مرد کے لئے یہ ممکن ہوا کہ وہ ایک عورت سے زنا کرے اور مجرم نہ ہو، کوئی صاحب عقل انسان اس کا قائل نہیں ہو سکتا، اگر آپ یہ کہیں کہ شیخ کے قول سے یہ لازم نہیں آتا تو میں کہوں گا کہ بغیر کسی نزاع کے بعینہ یہی صورت لازم آتی ہے، جو شخص اس میں جھگڑا کرے وہ لغو کام کرتا ہے۔

میرے بعض شیوخ کو تلفیق کے باطل ہونے میں توقف تھا (اللہ ان کو عزت بخشے) تو میں نے ان سے اس سلسلے میں بحث کی اور پھر جب میں نے ان کے سامنے یہ صورت پیش کی تو انہوں نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا اور تلفیق کے باطل ہونے کے قائل ہو گئے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو ممنوع تک پہنچادے وہ بھی ممنوع ہے، اور ہر وہ قول جس سے حرام کو حلال کرنا لازم آئے وہ قابل رد ہے، اور شیخ (قدس سرہ) اگرچہ بڑی شان والے، کامل عقل والے

اور ذکاوت و ذہانت میں اپنی مثال آپ تھے، لیکن کبھی تیز رفتار گھوڑا بھی ٹھوکر کھا کر گر جاتا ہے، اور اس امت کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ حق کے معاملے میں چھوٹا بڑے کی رعایت نہیں کرتا ہے۔ (عمدة التحقیق فی التقلید والتلفیق، ۱۰۱، ۱۰۲، مباحث فقہیہ: ۱۹۴)

علامہ شعرانی نے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ جو شخص ایک مذہب پر کچھ دن عمل کر کے پھر دوسرے مذہب کو اختیار کرے، پھر تیسرے کو تو اسکی مثال اس مسافر جیسی ہے جو کسی دور کی متعین جگہ کے ارادے سے نکلا ہو پھر جب کچھ میل چلا ہو تو اسکے خیال میں آیا کہ اگر دوسرے راستے سے چلوں تو شاید وہ پہلے راستے کے مقابلے میں منزل مقصود سے قریب ہو، لہذا اسی دوسرے راستے پر گامزن ہو، پھر آگے جا کر اسکے دل میں تیسرے راستے کا خیال آیا چنانچہ اسی راہ پر چلنے لگا اس طرح وہ اپنے مقصود پر کبھی بھی پہنچ نہیں سکے گا، اسی طرح یہ مذاہب کو بدلنے والا بھی کہی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکے گا۔ آگے فرماتے ہیں کہ اسی طرح یہ انتقال مذہبی سابق امام کے حق میں نقض و قدح بھی ہوگا۔ (کتاب المیزان: ج ۱، ص ۳۵)

ص ۳۵ پر فرماتے ہیں: حنفیہ میں سے جامع الفتاویٰ کے مصنف فرماتے ہیں کہ حنفی کے لئے شافعی اور شافعی کے لئے حنفی مذہب اختیار کرنا جائز ہے لیکن کلی طور پر ہونا چاہئے، کسی ایک مسئلہ میں نہیں، کما لو خرج دم من بدن حنفی و سال فلا يجوز له ان یصلی قبل ان یغسلہ اقتداء بمذہب الشافعی فی هذه المسئلة فان صلی بطلت صلاته. (کتاب المیزان: ۱/۳۵)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں: میرے نزدیک عامی کو افضل کی اتباع کرنی ضروری ہے، مثلاً جس آدمی کو امام شافعیؒ کی افضلیت و علمیت اور درستی کا اعتقاد ہو تو اسکو اپنی خواہشات کیلئے دوسرے مذہب اختیار نہ کرنا چاہئے اور نہ ہر مذہب کی سہولت والی چیزوں کو لینے کا اختیار ہے۔

وليس للعامى ان ينتقى من المذاهب فى كل مسألة اطيها عنده فيتوسع  
(المستصفى : ج / ٢، ص / ٢٩١)

ابن امير الحاج فرماتے ہیں:

(وقيدہ) اى تقليد جواز غيره (متأخر) وهو العلامة القرافى (بان  
لا يترتب عليه) اى تقليد غيره (ما يمنعانه) اى يجتمع على بطلانه كلاهما  
(فمن قلد الشافعى فى عدم) فرضية (الدلك) للاعضاء المغسولة فى الوضوء  
والغسل (ومالك فى عدم نقض اللمس بلا شهوة) للوضوء فيتوضأ ولمس  
بلا شهوة (وصلى ان كان الوضوء بذلك صحت) صلاته عند مالك (والا) ان  
كان بلا ذلك (بطلت عندهما) اى مالك والشافعى. ما قبل میں اس کی تفصیل  
وتشرح گذر چکی۔ (التقرير والتحبير: ٣ / ٣٥٦)

امام رویانی نے تقلید اور انتقال مذاہب کی تین شرطیں بیان کی ہیں:

ان لا يجمع بينهما على صورة تخالف الاجماع كمن تزوج بغير  
صداق ولا ولى ولا شهود فان هذه الصورة لم يقل لها احدا، الثانى: وان  
يعتقد فيمن يقلده الفضل بوصول اخباره اليه، الثالث: ان لا يقلد وهو اميا فى  
عماته من دينه كأن يقلد فى الرخصة من غير شرطها وان لا يتبع رخص  
المذاهب ووافق ابن رقيق العبد الرويانى على اشتراط ان لا يجتمع فى صورة  
يقع الاجماع على بطلانها وابدل الشرط الثالث بان لا يكون ماقلد فيه مما  
ينقض فيه الحكم لو وقع. واقتصر الشيخ عز الدين بن عبد السلام على  
اشتراط هذا، وقال: وان كان المأخذان متقاربين جاز. والشرط الثانى

انشرح صدره للتقليد المذكور وعدم اعتقاده لكونه متلاعبا بالدين متساهلاً فيه ودليل هذا الشرط قوله صلى الله عليه وسلم: والاثم ما حاك في الصدر فهذا تصريح بان ما حاك في النفس ففعله اثم (التقرير والتحبير: ٣/٣٥٣)

حضرت مفتي شفیخ صاحب فرماتے ہیں:

وحاصل الكلام الذى تلخصناه من نفثات اولئك الاكابر ان اختيار مذهب الغير فى بعض المسائل والافتاء به يجوز للمجتهد فلا يجوز الا بشروط، الاول: ان لا يلزم التلفيق بين المذهبين بحيث يقع اجماع الامامين على بطلانه كما مر من تحرير الاصول والاحكام والاسنوى وغيره. والثانى: ان يكون اختيار مذهب الغير قبل العمل بمذهب امامه بان لم يكن عمل به فى هذه الحادثة بمذهب امامه كما فى التحرير والاحكام وغيره. والثالث: ان لا يكون على وجه التبع للرخص فانه لا يجوز للعامى اجماعاً كما صرح به ابن عبدالبر من انه لا يجوز للعامى تتبع الرخص اجماعاً (شرح تحرير: ص / ٣٥١، ج / ٣)

قلت: هذا رأى المتقدمين من مشائخنا الحنفية حيث لم يشترطوا الضرورة الشديدة والاضطرار بل اكتفوا على اشتراط عدم تتبع الرخص واما زماننا هذا فهو زمان اتباع الهوى واعجاب كل ذى رأى برأيه والتلاعب بالدين فتتبع الرخص متعين ومتيقن باعتبار الغالب الاكثر. فلا يجوز الا بشرط الضرورة الشديدة وعموم البلوى والاضطرار كما ذكره العلامة ابن العابدین فى رسالته عقود رسم المفتى وقدمر منا نصه والله سبحانه وتعالى اعلم



و علمه اتم واحکم. (جواہر الفقہ: ۱۶۶/۲)

مفتی شفیع صاحب سب کا خلاصہ نقل کرتے ہیں کہ مجتہد کیلئے بعض مسائل میں مذہب غیر اختیار کرنا چند شرائط کے ساتھ جائز ہے (۱) اسکا یہ عمل ایسی تلفیق کو لازم نہ ہو جس کے باطل ہونے پر دونوں اماموں کا اجماع ہو جیسا کہ تحریر الاصول، الاحکام اور اسنوی وغیرہ کتب میں گذرا۔

(۲) مذہب غیر کا اختیار کرنا اپنے امام کے مذہب پر عمل کرنے سے پہلے ہو، اس طرح کہ اس حادثہ میں اپنے امام کے مذہب پر عمل ہی نہ کیا ہو۔

وفی غیر ما عمل بہ لہ ان یقلد غیرہ من المجتہدین.

(تیسیر التحریر: ۲۵۴/۴)

(۳) رخصت تلاش کرنے کے لئے نہ ہو کیونکہ عامی کیلئے بالاجماع اس طرح کرنا جائز نہیں ہے، مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ متقدمین مشائخ نے ضرورت شدیدہ اور عموم بلوی کی شرط نہیں لگائی ہے لیکن اس فساد اور تلاعب بالمدین کے زمانہ میں اس شرط کا لحاظ کرنا ضروری ہے جیسے کہ علامہ شامی نے ذکر کیا ہے۔ (جواہر الفقہ: ۱۶۶/۱)

ابن نجیم فرماتے ہیں:

ویمکن ان تؤخذ صحة الاستدلال من قول ابی یوسف وصحة البیع بغبن فاحش بقول ابی حنیفة بناء علی جواز التلیق فی الحکم من قولین، قال فی الفتاوی البزازیہ من کتاب الصلوة من فصل زلة القاری: ومن علماء خوارزم من اختار عدم الفساد بالخطأ فی القراءة اخذا بمذہب الامام الشافعی، فقیل لہ مذہبہ فی غیر الفاتحة، فقال: اخترت من مذہبہ الاطلاق وترکت القید

لما تقرر في كلام محمد رحمه الله تعالى ان المجتهد يتبع الدليل لا القائل حتى  
صح القضاء بصحة النكاح بعبارۃ النساء على الغائب اهـ .

علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں:

جہاں تک وقف کو غبن کے ساتھ بیچنے کا مسئلہ ہے، تو قاضی خان اپنے فتاویٰ میں لکھتے  
ہیں: اگر کسی نے وقف کی زمین کو ایسی قیمت پر بیچا جس میں غبن فاحش ہے، تو امام ابو یوسفؒ اور  
ہلال کی رائے یہ ہے کہ یہ بیع جائز نہ ہوگی کیونکہ وقف کا متولی وکیل کی طرح ہے، لہذا اسے غبن  
فاحش کے ساتھ بیچنے کا اختیار نہیں ہے، اگرچہ امام ابو حنیفہؒ وقف کو استبدال کی شرط کے ساتھ  
جائز قرار دیتے ہیں، لیکن وقف کے متولی کو غبن فاحش کے ساتھ بیچنے کی اجازت نہیں دیتے،  
جس طرح وکیل بالبیع کو غبن فاحش کے ساتھ بیچنے کا حق نہیں ہے، اور یہ ہو سکتا ہے کہ استبدال کی  
صحت کو امام ابو یوسفؒ کے قول سے لیا جائے اور غبن فاحش سے بیچنے کی صحت امام ابو حنیفہؒ کے  
قول سے، اور یہ اس بنا پر کہ ایک ہی مذہب کے دو قول سے تلفیق شدہ حکم جائز ہے، فتاویٰ  
بزاز یہ کتاب الصلوٰۃ کے باب زلۃ القاری میں:

”علمائے خوارزم میں سے کچھ حضرات نے امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے  
قراءت میں غلطی ہونے سے نماز فاسد نہ ہونے کے قول کو اختیار کیا ہے، باقوتہی جن کا مسلک  
سورۃ فاتحہ کے بغیر بھی نماز کے صحیح ہو جانے کا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے احناف کے مسلک کو  
مطلق طور پر اختیار کیا کہ وہ نماز میں سورۃ فاتحہ کی قراءت کو فرض قرار نہیں دیتے، اور قید کو چھوڑ دیا  
کہ قراءت میں ایسی غلطی ہو کہ معنی میں تغیر فاحش ہو جائے تو ان کے نزدیک اس سے نماز فاسد  
جاتی ہے، اس قید کو چھوڑ دیا؛ کیونکہ محمد کے کلام سے یہ اصول ثابت ہے کہ مجتہد دلیل کی پیروی  
کرے گا نہ کہ قائل کی، یہاں تک کہ قاضی کا غائب کے خلاف عورتوں کے کلام سے نکاح کی

صحت کا فیصلہ کرنا صحیح ہوگا۔ اور ابن ہمام کی ”التقریر“ میں جو یہ آیا ہے کہ تلفیق ممنوع ہے تو انہوں نے اس قول کا انتساب بعض متأخرین قضاة کی طرف کیا ہے، یہ مذہب خود ان کا نہیں ہے۔ (رسائل ابن نجیم ۲۲/۲۳۹، مباحث فقہیہ: ۱۹۷)

علامہ عبدالغنی النابلسیؒ تلفیق کے جواز کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابن نجیم کا فتویٰ قاضی خان کے حوالے سے شیخین کے قول سے تلفیق کے جواز پر استدلال کرنا وہ تو مذہب واحد ہی میں تلفیق ہوگی، کیونکہ دونوں قول (امام صاحب و امام ابو یوسف) کے اصول تو ایک ہی ہے۔

واما واقعة بعض علماء خوارزم فی تلیفہ المذکور فہی شروطہ  
بالاجتہاد کما صرح بہ بعد ذلک .

اسی طرح امام شافعیؒ کے امام ابو حنیفہؒ کی قبر پر فجر کی نماز میں قنوت کے ترک سے بھی تلفیق پر استدلال نہیں کر سکتے کیوں کہ وہ امام شافعیؒ کا اسی دن کا اجتہاد تھا۔

فانہ محمول علی اجتہادہ ذلک الیوم فقط فی دلیل ابی حنیفہ فی  
نسخ القنوت الفجر لرجحان دلیلہ عنده ثم رجع بعده الی اجتہادہ ولا یقاس  
المقلد علی المجتہد فی هذا الامر عند کل واقعة . آگے فرماتے ہیں: ولا بن  
نجیم عبارات فی کتابہ شرح الكنز صریحہ فی اشتراط المراعاة من الامام  
لصحۃ الاقتداء بالمخالف فکیف یكون قائلاً فی عبارتہ ہذہ لصحۃ التلیف  
مطلقاً من مجتہد ومقلد .

(خلاصہ التحقیق فی بیان حکم التقلید والتلفیق: ۲۷)

اسی طرح امام یوسف کے نماز کے مسئلہ میں (ما قبل میں تفصیل گزر چکی) بھی فرماتے ہیں:  
 و مراده ان ابایوسف صلی علی مذہبه وانما قلد فی خصوص الوضوء  
 من القلتین، و علی فرض تسلیم التلیق فی ذلک فان المجتهد له ان یجتهد  
 فی دلیل مجتهد آخر کما ذکرنا - ولا کذلک المقلد علی ان صلوة ابی  
 یوسف علی مذہبه لیست فاسدة علی مذہب غیره حتی یكون ذلک تلیقاً.

(خلاصہ التحقیق فی بیان حکم التقلید والتلیق: ص / ۲۴-۲۶)

مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں: بهذا تبین سرما ذهب الیه الفقهاء  
 من عدم جواز ترک مذہب الی مذہب لان هذا ان کان علی وجه التخطیہ  
 للمذہب المتروک فهو لیس باهل لها . وان کان علی وجه الترجیح فهو  
 لیس ایضاً من اہله . فلا وجه للانتقال الی الهوی او شیئی لا یعتد به فلا یجوز  
 لا سیمماً اذا کان هذا الصنیع یفتح علیہ باب اتباع الهوی والشہوات .

(اعلاء السنن مقدمہ: ص / ۶۴)

مولانا ظفر احمد صاحب اپنے رسالے التحقیق فی التلیق میں تلیق پر گفتگو کرتے  
 ہوئے تحریر فرماتے ہیں: اذا عرفت ذلک (جب کسی مسئلہ میں علماء مجتہدین کے دو قول ہوں  
 تو کسی مجتہد کے لئے تیسرے قول کا احداث جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں دلائل ذکر کرنے  
 کے بعد) فاعلم ان التلیق بین اقوال المجتہدین ان کان مبطلاً للاجماع لم  
 یجز والاجاز. نظیرہ صلوة من احتجم ومس امرأة بعد الوضوء من غیر  
 تجدیدہ فانها باطلة اجماعاً وكذا صلوة من اخذ بقول الشافعی فی الاحتجام  
 وبقول ابی حنیفة فی عدم رکنیة الفاتحة للصلوة فاكتفی بأية من القرآن ولم

یقرأ الفاتحة فانها باطلة اجماعاً. اما عند الشافعي فترك الفاتحة واما عند ابي حنيفة فلكونه صلى محدثا. هذا هو حكم التلفيق في عمل واحد.

واما حكمه اذا كان بين القولين فقط دون العمل بأن رجح مجتهد قول الشافعي في الاحتجام وقول ابي حنيفة في المس او في عدم ركنية الفاتحة للصلوة فهو جائز، وكذا لولفق بينهما في عمليين لا في عمل واحد بان صلى صلاة بعد الاحتجام بلا اعادة الوضوء ولم يعد الفاتحة مثلا وصلى اخرى باعادة الوضوء به بعده واقتصر في القرآن على آية لما عرفت من ان القولين لا يشتركان في امر واحد هو حكم شرعي فلا يكون القول الثالث مبطلاً للاجماع ولكنهما يشتركان احيانا في الحكم بطلان الصلوة اذا كان التلفيق في عمل واحد وان اختلفا في العلة كما تقدم. (١٩٨/٢)

اجماع ائمہ کو باطل کرنے والی تلفیق قابل اعتبار نہیں ہے، اس کی مثال جیسے کسی آدمی نے وضوء کے بعد پچھنا لگایا اور عورت کو چھولیا پھر بغیر اعادۂ وضوء نماز پڑھی تو وہ بالا جماع باطل ہے، اسی طرح کسی نے پچھنا کا قول شوافع سے اختیار کیا اور سورۂ فاتحہ کا رکن صلاۃ نہ ہونے کا قول احناف سے لیا اور نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو یہ بھی بالا جماع باطل ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک فاتحہ ترک کرنے سے اور امام صاحبؒ کے نزدیک بے وضوء ہونے کی وجہ سے، یہ عمل واحد میں تلفیق کا حکم ہے، اور اگر صرف دو قول میں ہو عمل میں نہ ہو تو جائز ہے بایں طور کہ احتجام میں شوافع کے قول کو اور مسمرۃ یا فاتحہ کے عدم رکن ہونے میں احناف کے قول کو ترجیح دی۔

اسی طرح دو عمل میں تلفیق کی اس طرح کہ احتجام کے بعد بلا اعادۂ وضوء نماز پڑھی لیکن فاتحہ کو نہیں چھوڑا، دوسری مرتبہ احتجام کے بعد اعادۂ وضوء تو کیا لیکن سورۂ فاتحہ کے بجائے ایک

آیت پڑھی (یہ بھی جائز ہے)

بعض لوگوں نے مجتہد کی تلفیق کے مقابلہ میں مقلد کی تلفیق کے جواز کو اولیٰ قرار دیا ہے، اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بعض مرتبہ مقلد عملاً اجماع کو باطل قرار دیتا ہے، فان اعتقد صحته كان مبطلا للاجماع عملاً مخالفاً له اعتقاداً .

اسی طرح ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ تقلید شخصی کے شیوع سے پہلے تلفیق کا جواز معلوم ہوتا ہے، لوگ کسی بھی عالم سے مسئلہ دریافت کر لیتے تھے، وہ اپنے علم واجتہاد کی بنیاد پر جواب دیتے تھے اور سائل سے کبھی یہ دریافت نہیں کرتے تھے کہ تو نے کسی اور عالم سے یہ مسئلہ دریافت کیا ہے یا نہیں؟ تاکہ تلفیق لازم نہ آئے، معلوم ہوا کہ تلفیق جائز تھی لہذا اس سے روکنا خود مبطل اجماع ہے۔

مولانا ظفر احمد صاحب اسکے جواب میں فرماتے ہیں: سلف کے احوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے عوام اپنے شہر کے علماء سے ہی سوال کرتے تھے اور ان میں معمولی اختلاف ہوتا تھا، آپ علماء حجاز کو آپس میں موافق پائیں گے، اسی طرح علماء عراق و شام آپس میں موافق تھے لہذا ان کے اقوال سے تلفیق باطل لازم نہیں آئے گی، نیز وہ لوگ ایک عمل میں ایک قول پر اور دوسرے عمل میں دوسرے قول پر عمل کرتے تھے، وہ لوگ ایک ہی عمل میں مختلف اقوال پر عمل پیرا نہیں ہوتے تھے جس سے بطلان اجماع لازم آئے، وقد عرفت ان التلفيق بعين القولين انما يبطل الاجماع اذا كان في امر واحد او في عمل واحد لا في امرين او عمليين . (مقدمة اعلاء السنن : ج / ۲، ص / ۲۰۰)

علامہ طحاوی کی عبارت نقل کر کے مولانا ظفر احمد صاحب فرماتے ہیں:

قلت: وهذا يرشدك الى ان بطلان الملفق متفق عليه في مذهب ابي

حنيفة والشافعي واحمد، وعن مالك فيه روايتان، احدهما جوازه ولا يبعد ان يقال اصحهما ما وافق فيه الجمهور دون ما خالفهم فيه .

(مقدمة اعلاء السنن: ج ۲، ص ۲۰۰)

حضرت قاضی مجاہد الاسلام فرماتے ہیں:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ تلفیق ممنوع ہے جس کا مقصد واجبات و فرائض سے رہائی حاصل کرنا، خواہشات نفس کی پیروی اور محرّمات شرع کے ارتکاب کے لئے حیلہ جوئی ہو، لیکن صحیح مقاصد کے لئے درج ذیل شرائط کے ساتھ تلفیق جائز ہے۔

اول:- تقلید کے طور پر جو عمل ہو چکا ہے اس سے رجوع لازم نہ آئے، مثلاً: ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا: انت طالقة البتة تجھے قطعاً اور یقینی طلاق ہے، اور اس کی نیت اس سے تین طلاق کی ہے، پھر اس نے اس مسئلہ میں اپنی رائے کو نافذ کیا اور یہ یقین کر لیا کہ وہ عورت اس پر حرام ہو چکی ہے، پھر اس کی رائے یہ ہوئی کہ اس طلاق کو رجعی قرار دے کر اس سے رجعت کر لے اور اسے اپنی زوجیت میں باقی رکھے۔

دوم:- یہ کہ اس سے اس کے لازم اجماعی (یعنی پہلے تقلید کے طور پر عمل کرنے کی وجہ سے جو صورت لازم آتی ہے) سے رجوع لازم نہ آتا ہو، مثلاً: ایک شخص نے بغیر ولی کے نکاح کے صحیح ہونے میں امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کی، اور ایک بالغ لڑکی سے بلا ولی نکاح کر لیا تو اس میں شک نہیں کہ اگر نکاح کی صحت تسلیم کر لی جائے تو اس سے طلاق واقع کرنا بھی لازماً صحیح ہوگا، تو اگر یہ شخص اپنی منکوحوہ کو جس سے بغیر ولی کے نکاح کیا ہے تین طلاق دے دے، پھر طلاق واقع نہ ہونے میں امام شافعیؒ کی تقلید کرنا چاہے (کہ امام شافعیؒ کے مسلک کی رو سے یہ نکاح ہی صحیح نہیں ہوا، کیونکہ بغیر ولی کے تھا) تو ایسا کرنا اس کے لئے جائز نہ ہوگا، کیونکہ یہ سابق تقلید کے

نتیجے میں لازم آنے والے لازم اجماعی حکم سے رجوع کرنا ہے۔

سوم :- یہ کہ علماء کے نادر اور شاذ اقوال کو اختیار نہ کرے، کیونکہ علماء کے وہ نادر اور شاذ اقوال جنہیں امت نے مسترد کر دیا ہے اور قبول نہیں کیا ہے انہیں اختیار کرنا جائز نہیں ہے، امام اوزاعی فرماتے ہیں: جو شخص علماء کے نادر اقوال کو اختیار کرے گا وہ اسلام سے نکل جائے گا، سلیمان تیمی کہتے ہیں: اگر تو ہر عالم کی رخصت اختیار کرے تو تجھ میں تمام برائیاں جمع ہو جائیں گی اور علماء کے شاذ و نادر سے مراد وہ اقوال ہیں جنہیں زلات (لغزشیں) کہا جاتا ہے

خلاصہ کلام یہ کہ اگر ہم تلفیق اور تتبع رخص کو مطلقاً مباح قرار دیں تو یہ امت کے لئے فتنہ اور آزمائش ہوگی، اور شریعت کی ہتک حرمت ہوگی؛ کیونکہ یہ دونوں اباحت پسندی، آزادی، لہو و لعب اور خواہش کی پیروی کا سبب بنیں گے، ہاں اگر قابل اعتماد فقہائے کرام دورِ جدید کے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے اور امت سے حرج اور تنگی کو دور کرنے کے لئے ضروری شرائط کے ساتھ رخصت اور تلفیق کو اختیار کرنے کی ضرورت محسوس کریں، تو میری رائے میں اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بالخصوص جب یہ کام علماءِ راہنہ کے اجتماعی اجتہاد کے نتیجے میں انجام پائے۔  
واللہ اعلم (مباحث فقہیہ: ص ۱۹۷ تا ۱۹۸)

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی دامت برکاتہم اپنی کتاب اصول الفقہ الاسلامی میں تلفیق کی عدم جواز کی شکلیں اور عباداتِ محضہ، عباداتِ مالیہ، معاملاتِ شرعیہ وغیرہ کا فرق کرتے ہوئے تفصیلی کلام فرماتے ہیں:

### التلفیق الممنوع :

لیس القول بجواز التلفیق مطلقاً، وإنما هو مقید فی دائرة معينة، فمنہ



ماهو باطل لذاته ، كما إذا أدى إلى إحلال الحرمان كالخمر والزنى ونحوهما، ومنه ماهو محذور لالذاته، بل لما يعرض له من العوارض ، وهو ثلاثة انواع . الحاشية :- (راجع عمدة التحقيق، المرجع السابق ١٢١، الإحكام في تمييز الفتاوى عن الأحكام للقرافي ٧٩، فتاوى الشيخ عlish ٦٨/١، ٧١، رسم المفتي لابن عابدين ٦٩/١)

**أولها: - تتبع الرخص عمداً، بأن يأخذ الإنسان من كل مذهب ماهو الأخف عليه بدون ضرورة ولا عذر، وهذا محذور سدا لذرائع الفساد بالانحلال من التكاليف الشرعية .**

قال الغزالي: ليس لأحد ان يأخذ بمذهب المخالف بالتشهي، وليس للعامي ان ينتقي من المذاهب في كل مسألة اطيها عنده فيتوسع إلخ... (المستصفى ١٢٥/٢)

ويندرج تحت هذا النوع بالأولى تتبع الرخص للتلهي والأخذ بالأقوال الضعيفة من كل مذهب اتباعاً للملاذ والأهواء.

**الثاني:- التلفيق الذي يستلزم نقض حكم الحاكم ؛ لأن حكمه يرفع الخلاف درءاً للفوضى.**

**الثالث:- التلفيق الذي يستلزم الرجوع عما عمل به تقليداً او عن امر مجمع عليه لازم لأمر قلده.**

مثال الحالة الاولى : ما نقل عن الفتاوى الهندية : لو ان فقيها قال لامرأته: (انت طالق البتة)، وهو يرى ان الطلاق يقع ثلاثا ، فامضى رأيه فيما

بينه وبينها ، وعزم على انها حرمت عليه ، ثم رأى بعدئذ انها تطليقة رجعية ، امضى رأيه الأول الذي كان عزم عليه ، ولا يردّها إلى أن تكون زوجته برأى حدث من بعد .

وكذلك لو كان في الابتداء يراها تطليقة رجعية ، فعزم على انها امراته ثم رأى بعد انها ثلاث لم تحرم عليه ، ولكن ينبغي الانتباه الى ان الرجوع بعد العمل لا يجوز اذا كان في حادثة واحدة ، لافي مثلها ، بدليل ما ذكر في الفتاوى الهندية : انه لو كان يرى في قوله لامرأته : (انت طالق البتة) انها تطليقة رجعية فله مراجعتها ، ثم قال لامرأة اخرى : (انت طالق البتة) وهو يرى يوم قال ذلك انها ثلاث ، حرمت عليه المرأة الاخرى بهذا القول : وهذا ما صرح به الامام السبكي وتبعه عليه جماعة . ويلاحظ ان الرجوع عن التقليد بعد العمل باطل كما صرح الأصوليون . مقيد فيما إذا بقي من آثار الفعل السابق اثر يؤدي إلى تلفيق العمل بشيء لا يقول به كل من المذهبين .

ومثال الحالة الثانية : لو قلد رجل ابا حنيفة في النكاح بلا ولي ، فيستلزم العقد صحة إيقاع الطلاق ؛ لأنها امر لازم لصحة النكاح اجماعا ، فلو طلقها ثلاثا ، ثم اراد تقليد الشافعي في عدم وقوع الطلاق لكون النكاح بلا ولي ؛ ( إذ ان الطلاق لم يصادف محلا ، و اراد ان يعقد عليها عقدا جديدا ) وارى ان القول بهذا امر محتم ؛ لانه يحتاط في قضايا الانساب اكثر مما يحتاط في غيرها ، وإلا ترتب عليه ان تكون العلاقة السابقة علاقة

محرمة ، وان الاولاد او لاد زنى ، وينبغى سد كل باب يودى الى مثل هذا التحايل فى كل امر خطير كالنكاح مثلا ، او فى كل ما يتوسل به الى العبث بالدين ، او الاضرار بالبشر ، او الفساد فى الارض .

واما فى مجال العبادات والتكاليف التى لم يجعل الله بها حرجا على عباده ، فلا يكون التلفيق ممنوعا ، ولو استلزم الرجوع عما عمل به ، او عن امر لازم لآخر اجماعا ، ما لم يفض الى الانحلال من ربة التكاليف او الى الذهاب بالحكمة الشرعية باتباع الحيل التى تغاير الشريعة او تضع مقاصدها .

### حكم التلفيق فى التكاليف الشرعية :

بان سابقا ان مجال التلفيق هو فى الفروع الاجتهادية الشرعية الظنية ، اى المختلف فيها ، اما فى العقائد والايمان والاخلاق وكل ما علم من الدين بالضرورة ، فليس داخلا فى التلفيق ، لانه لا يجوز فيها التقليد اتفقا ، بل وليست مجالا للاجتهد ، حتى تكون محلا للخلاف الذى يبنى عليه التقليد والتلفيق .

وحيث ان التلفيق يتأتى فى المسائل الفرعية ، فيلزم تفصيل الحكم فيها .

تنقسم الفروع الشرعية إلى ثلاثة انواع : (عمدة التحقيق ١٢٧ وما

بعدها)

أول : ما بنى فى الشريعة على اليسر والتسامح مع اختلافه باختلاف

احوال المكلفين.

الثانى : مابنى على الورع والاحتياط.

الثالث: مايكون مناطه مصلحة العباد وسعادتهم.

اما النوع الاول : فهو العبادات المحضة ، وهذه يجوز فيها التلفيق  
للحاجة، لان مناطها امتثال امر الله تعالى والخضوع له مع عدم الحرج،  
فينبغى عدم الغلوبها؛ لأن التنطع يؤدي إلى الهلاك ، اما العبادات المالية ،  
فإنها مما يجب التشدد بها احتياطاً، خشية ضياع حقوق الفقراء، فينبغى على  
المزكى ألا يأخذ بالقول الضعيف ، او يلفق من كل مذهب ما هو اقرب  
لإضاعة حق الفقير ، وعلى المفتى ان يفتى فى هذا النوع بما هو الاحوط  
والانسب، مع مراعاة حال المستفتى. وكونه من أصحاب العزائم أم لا .

وأما النوع الثانى فهو المحظورات ، وهى مبنية على الاحتياط والأخذ  
بالورع ( الورع : الكف عن الشبهات تحرجاً وتخوفاً من الله تعالى ثم  
استعير للكف عن الحلال ايضاً) مهما امكن ، لان الله تعالى لا ينهى عن شيء  
إلا لمضرته، فلا يجوز فيها التسامح او التلفيق إلا عند الضرورات الشرعية ،  
لأن الضرورات تبيح المحظورات، وورد فى الحديث : ”مانهيتكم عنه  
فاجتنبوه ، وما امرتكم به فأتوا منه ما استطعتم . ( متفق عليه بين البخارى  
ومسلم من حديث ابى هريرة رضى الله عنه، شرح صحيح مسلم ١٠١/٩ ،  
رياض الصالحين ٨٣) فالأمر قيده بالاستطاعة ، والنهى اطلقه ، لدفع ضرر  
المنهى عنه.

وكون المحظورات لا يسوغ فيها التلفيق ، لأنها مبنية على الورع والاحتياط مستند إلى حديث ابن مسعود: ” ما اجتمع الحرام والحلال ، الا غلب الحرام الحلال “ رواه البيهقي من حديث ابن مسعود ، وفيه ضعف وانقطاع ، وقال الزين العراقي: إنه لا أصل له. (المقاصد الحسنة ٣٦٢) وحديث ” دع ما يريبك إلى ما لا يريبك “ رواه الترمذى والنسائى عن الحسن بن علي بن ابي طالب ، وقال الترمذى: حديث حسن صحيح .

وأما أن المحظورات المتعلقة بحقوق العباد لا يجوز فيها التلفيق ، فلأنها قائمة على اساس صيانة الحق ومنع الايذاء او العدوان ، فلا يباح التلفيق فيها لانه نوع من الاحتيال للاعتداء على الحق وإضرار العباد .

واما النوع الثالث : فهو المعاملات ، والحدود ، واداء الاموال من عشر وخراج وخمس المعادن ، والمناكحات ؛ فالمناكحات وما يتعلق بها من المفارقات مبناه سعادة الزوجين واولادهما ، ويتحقق المبنى بالحفاظ على الرابطة الزوجية ، وتحقق الحياة الطيبة فيها ، كما قرر القرآن الكريم ، ﴿ فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان ﴾ فكل ما يؤيد هذا الأصل يعمل به ، ولو ادى فى بعض الوقائع الى التلفيق ، إلا انه ينبغي الا يتخذ التلفيق ذريعة لتلاعب الناس باقضية النكاح والطلاق مراعاة للقاعدة الشرعية ، وهى ( ان الاصل فى الابضاع التحريم ) ( الاشباه والنظائر لابن نجيم ١ / ٩٨ وما بعدها ، الاشباه للسيوطي ٦٧ وما بعدها ) والمراد بالقاعدة: ان المرأة المقصودة للزواج الاصل فيها تحريمها على الرجل ، ويدخل فيها كل نواحي الاستمتاع

بالمرأة) صيانة لحقوق النساء والانساب ، وحينئذ يكون التلفيق ممنوعا .  
واما المعاملات ، واداء الاموال ، والحدود المقررة وصيانة الدماء  
ونحوها من التكاليف المراعى فيها مصالح البشرية والمرافق الحيوية ،  
فيجب الأخذ فيها من كل مذهب ما هو اقرب الى مصلحة العباد وسعادتهم  
ولو لزم منه التلفيق ، لما فيه من السعي وراء تاييد المصلحة التي يقصدها  
الشرع ، ولأن مصالح الناس تتغير بتغير الزمان ، والعرف وتطور الحضارة  
والعمران ، ومعيار المصلحة كما عرفنا في الأدلة المختلف فيها : هو كل  
ما يضمن صيانة الأصول الكلية الخمسة وهى : حفظ الدين والنفس والعقل  
والنسل والمال ، وصيانة كل مصلحة مقصودة شرعا من الكتاب او السنة او  
الاجماع ، وهى المصالح المرسله المقبولة .

والخلاصة : إن ضابط جواز التلفيق ، وعدم جوازه : هو أن كل ما أفضى  
إلى تفويض دعائم الشريعة والقضاء على سياستها وحكمتها فهو محذور  
وخصوصا الحيل ، وأن كل ما يؤيد دعائم الشريعة ، وما ترمى اليه حكمتها  
وسياستها لإسعاد الناس فى الدارين بتيسير العبادات عليهم وصيانة  
مصالحهم فى المعاملات ، فهو جائز مطلوب .

والتلفيق الجائز فى تقديرى : هو عند الحاجة او الضرورة ، وليس من  
اجل العبث او تتبع الايسر والاسهل عمدا بدون مصلحة شرعية ، وهو  
مقصور على بعض احكام العبادات والمعاملات الاجتهادية ، لا  
القطعية . (اصول الفقه الإسلامى : ٢ / ١١٨٦ - ١١٨١)

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ تلفیق کا جواز مطلقاً نہیں ہے، بلکہ کچھ معین شرائط کے ساتھ ہی جائز ہے، کچھ شکلیں ذاتی طور پر باطل ہیں، جیسے کہ حرام کو حلال کرنے والی (شراب، زنا وغیرہ) کچھ شکلیں ذاتی طور پر تو باطل و ممنوع نہیں ہے لیکن عوارضات کی وجہ سے اس پر عدم جواز کا حکم ہوگا اسکی تین اقسام ہیں:

(۱) عمداً رخصتوں کو تلاش کرنا بغیر ضرورت و بغیر عذر کے آدمی ہر مذہب سے آسان چیزوں کو تلاش کرے، یہ سد ذریعہ کے طور پر ممنوع ہوگا کیونکہ یہ تکلیفات شرعیہ کا قلابہ اپنی گردن سے اتار پھینکنا معلوم ہوتا ہے، اپنے مذہب کے اقوال ضعیفہ کو خواہشات و لذات کے لئے اختیار کرنا اسی قسم میں شمار ہوگا۔

(۲) حاکم کے حکم کی خلاف ورزی لازم آتی ہو، کیونکہ اس کا حکم تو لوگوں کو آوارہ ہونے سے بچاتا ہے۔

(۳) اس تلفیق سے سابق تقلیدی حکم سے رجوع لازم آتا ہو یا متفق علیہ امیر کی خلاف ورزی لازم آتی ہو۔

\* علامہ زحیلی عبادات اور وہ تکالیف شرعیہ جن میں اللہ پاک نے بندوں پر حرج نہیں رکھا ہے اس میں توسع سے کام لیتے ہیں، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ تکلیف کا قلابہ مکمل ہی ختم نہ کر دے یا مقاصد شریعت کو ضائع کرنے والے حیلے استعمال نہ کرے۔

عقائد، ایمان اور اخلاقیات وغیرہ دین کے ضروری اوامر میں تلفیق کا مسئلہ نہیں ہوگا کیونکہ اس میں تقلید ہی جائز نہیں ہے، بلکہ اجتہادات وغیرہ کا اس میں کوئی موقع ہی نہیں ہے کہ تقلید تلفیق وغیرہ پر گفتگو کی جاوے۔

البتہ فروع شرعیہ سے تلفیق کا تعلق ہوگا اسکی بھی تین اقسام ہیں:

(۱) وہ ضرورت جس میں شریعت مطہرہ نے مکلفین کے احوال کے مختلف ہونے کے اعتبار سے نرمی اور درگزر کا معاملہ فرمایا ہے۔

(۲) جو احتیاط اور تقویٰ پر مبنی ہیں۔

(۳) وہ احکام جن پر بندوں کی مصلحت اور سعادت کا دار و مدار ہے۔

(۱) پہلی قسم: وہ خالص عبادتیں ہیں، اس میں ضرورت کے پیش نظر تلفیق جائز ہے

، کیونکہ ان کا مدار اللہ پاک کے حکموں کو بجالانا اور خشوع و خضوع مقصود ہے؛ لہذا اس میں غلو کرنا مناسب نہیں ہے۔

(۲) عبادات مالیہ: اسمیں احتیاط کے پیش نظر تشدد کرنا ضروری ہے، کیونکہ فقراء کا

حق ضائع ہو سکتا ہے؛ لہذا زکوٰۃ ادا کرنے والے کے لئے اپنے مذہب کے قول ضعیف پر عمل کرنا جائز نہیں ہوگا، اور اسی طرح دوسرے امام کے ایسے قول پر عمل کرنا جس سے فقراء کا حق ضائع ہونے کا خطرہ ہو، جائز نہیں ہے۔ اور مفتی کے لئے بھی ضروری ہوگا کہ ایسے مسائل میں احتیاط والے قول پر ہی فتویٰ دے۔

(۲) دوسری قسم: ممنوعات شرعیہ کی ہیں، اس کا دار و مدار احتیاط تقویٰ اور ورع

پر ہے کیونکہ یہ ممنوعات شرعیہ ہیں اللہ تعالیٰ نے جس چیز سے روکا ہے اس میں بندہ کی مضرت یقینی طور پر پوشیدہ ہے؛ لہذا اس میں بھی تلفیق اور تسامح بغیر ضرورت شرعیہ کے جائز نہیں ہے، متعدد روایات حدیث اس پر شاہد ہیں۔

خاص کر کے وہ ممنوعات و منہیات جن کا تعلق حقوق العباد سے ہوں، ان میں تو حق کا

ضیاع اور زیادتی کا امکان زیادہ ہے، لہذا تلفیق مباح نہ ہوگی۔

(۳) تیسری قسم: معاملات، عشر، خراج، معادن خمسہ اور نکاح وغیرہ ہیں اس میں



مناکحات اور طلاق وغیرہ کا مقصد میاں بیوی کے حقوق کو ضائع ہونے سے بچانا ہے اس میں تلفیق کی گنجائش ہے، جب تک کے وہ قواعد شرعیہ کے ساتھ کھلو اور کا ذریعہ نہ بنے۔

بہر حال معاملات، مال کی ادائیگی، شرعی حدود اور انسان جان کی حفاظت وغیرہ تکلیفات جن میں انسانی مصلحت اور زندگی کی راحتیں وغیرہ کی رعایتیں کی گئی ہیں، تو اس میں تلفیق کی گنجائش ہے، کیونکہ اس میں بندوں کی مصلحت سے قریب قول اختیار کرنا ہی مطلوب شرعی ہے۔ نیز زمانے، عرف اور تہذیب و تمدن کی تبدیلی سے مصالح کا معیار بھی بدل جائے گا۔

حاصل یہ ہے کہ جو تلفیق شرعی احکام کے مقاصد اور بنیاد کو ہی بدل دے تو وہ ممنوع ہوگی، خاص کر کے جس میں غلط حیلوں سے کام لیا جاوے، اور تلفیق کا وہ عمل جس میں شرعی مقاصد کی تائید ہوتی ہو، اس کا جواز ہوگا۔

تلفیق کا جواز حاجت و ضرورت کے وقت ہے، محض ہوائے نفسانی کے لئے آسانیاں تلاش کرنے کے لئے نہیں ہے۔

مولانا محمد مظہر بقا صاحب اپنی گراں قدر کتاب ”اصول فقہ اور شاہ ولی اللہؒ“ میں شاہ ولی اللہؒ کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جہاں تک مذہب معین کے التزام یا عدم التزام کے بارے میں علماء کے اختلاف کا تعلق ہے سچی بات یہ ہے کہ یہ اختلاف کسی عمیق نظریاتی اختلاف پر مبنی نہیں۔

کیونکہ جب ایک عامی کے لئے کسی نہ کسی مذہب کی تقلید ہی ضروری ہے تو اگر وہ کسی معین مذہب کی تقلید نہیں کرنا چاہتا تو اس کی وجہ عموماً اس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ وہ جس مذہب میں جو مسئلہ اس کی خواہش کے مطابق ہو اسے اختیار کرنا چاہتا ہے، اور اتباع ہو بالاتفاق ممنوع

پس جن لوگوں نے عوام کی اس کمزوری کا لحاظ کیا انہوں نے مذہب معین کے التزام کو ان کے لئے ضروری قرار دیا؛ تاکہ اتباع شریعت کے پردے میں اتباع ہوئی نہ کی جاسکے۔ چنانچہ علامہ نوویؒ نے الکیا ہر اسی کے قول کی جو مذہب معین کے التزام کو ضروری قرار دیتے ہیں یہ وجہ بیان کی ہے:

”لو جاز اتباع ای مذہب شاء لافضی الی ان یتلقط رخص المذاهب متبعاً ہواہ ویتخیر بین التحلیل والتحریم والوجوب والجواز وذلک یودی الی انحلال ربقة التکلیف۔ (شرح المہذب مقدمہ : ص / ۵۵)

اور جن لوگوں نے مذہب معین کے التزام کو ضروری قرار نہیں دیا، انہوں نے بھی عدم اتباع ہوئی کی شرط لگادی اس لئے نتیجہ کے طور پر بالعموم دونوں رایوں میں کوئی فرق نہ ہوگا، کیونکہ اتباع ہوئی جس کا نشانہ ہو وہ ”یک درگیر و محکم گیر“ کے اصول سے تجاوز ہی کیوں کرے گا۔ (اصول الفقہ اور شاہ ولی اللہ: ص / ۵۹۱ تا ۵۹۵)

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ اپنی کتاب ”اجتہاد اور تقلید“ میں تلفیق ممنوع کے سلسلہ میں اپنے حکیمانہ انداز میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی غائر نظر ہمیشہ اصول اور تہ کی طرف دوڑتی ہے اور وہ ہر مسئلہ کی لم اور اس کی اندرونی بنیاد تک پہنچ کر غرض شارع کا پتہ چلاتے ہیں، اسی باطنی غرض اور حکمت کے معیار سے روایات کے احکام کے درجات قائم کرتے ہیں اور ان میں تطبیق و توفیق دیتے چلے جاتے ہیں، اس لئے ان کے فقہ میں کلیات تعمیمات اور ہمہ گیری بہت زیادہ ہے، دوسرے حضرات حکم دیکھتے ہیں اور اسی کو اصل قرار دے کر روایات پر نظر کرتے ہیں تو احکام میں تعداد اور تکثیر تو زیادہ ہوتی ہے مگر انضباط، تسلسل اور ترتیب اس طرح نہیں آتی کہ

ہر ہر جزو کسی نہ کسی اصل سے جڑا ہوا نظر آئے اور ہر حکم کسی نہ کسی حکمت سے مربوط دکھائی دے، ظاہر ہے کہ تسلسل اور ترتیب میں انضباط ہوتا ہے اور دوسری صورت میں تکثیر احکام، اسی لئے فقہ حنفی میں ترتیب و تسلسل اور جامعیت و اجتماعیت کا رنگ غالب ہے۔ اور دوسرے فقہوں میں تکثیر احکام اور تکثیر جزئیات کا رنگ غالب ہے اور کلیاتی دائرہ محدود ہے۔

ظاہر ہے کہ جب یہ مخصوص رنگ کے اصول اپنے اپنے فقہ کے تمام ابواب اور ساری ہی اجتہادی فروع میں رچے ہوئے ہوں گے گویا ایک فقہ کے سارے مسائل کی تشکیل یہ ایک ہی رنگ کے اصول کریں گے تو اس پورے فقہ کا ایک مزاج قائم ہو جائے گا جو اپنے امام کے ذہنی مزاج کے مطابق ہوگا، پھر وہی ذہنی مزاج ان کا بھی بنے گا جو اس فقہ کی تقلید کریں گے، کیونکہ مربوط کی ذہنیت مرہبی ہی کی ذہنیت سے بنتی ہے۔ اس صورت میں دو فقہوں کی جزئیات کتنی ہی غیر متباہن ہوں اور بظاہر سطح تناقض سے کتنی ہی بعید ہوں گے مگر یہ ذوقی الوان اور اصول استنباط کا تناقض ان میں رچ کر انہیں اصولی طور پر متضاد بنا دے گا۔ اور یہ میں عرض کر چکا ہوں کہ تقلید حقیقتاً جزئیات کے پردہ میں ان اصول کی ہوتی ہے جو ان جزئیات کو پردہ ظہور پر لاتے ہیں اور وہ متعارض ہیں تو وہی تضاد کا تضاد باقی رہا؛ جزئیاتی نہ سہی، کلیاتی سہی، اور جب کہ یہ اصول و کلیات ہی اصل میں محل تقلید ہیں تو خواص کی نظر میں یہ تضاد اس تضاد سے اشد ہوگا جو جزئیاتی تھا کہ جزئیات تقلید کے بارہ میں اصل ہی نہ تھیں، یہ اصول ہی اصل تھے اور اصل کا فساد فرع کے فساد سے عقلاً و شرعاً مہلک تر ہوتا ہے۔

پس ایسے اصولی اختلاف کے ہوتے ہوئے دو فقہوں کی بیک دم تقلید کیا جانا اور بالفاظ دیگر ایک فقہ کی تربیت کے ہوتے ہوئے دوسرے فقہ کی تربیت کا رنگ اس پر چڑھایا جانا علاوہ تربیت کی دو عملی اور تضاد حالی کے ہر مرہبی امام کی تربیت کو ناقص اور نکما بنا لینا ہے۔

مثلاً اگر امام ابوحنیفہؒ ان ہی اصول استخراج پر نماز کے ذریعہ سکون اور حج کے ذریعہ حرکت کا ذوق عامل فقہ میں راسخ کرنا چاہتے ہیں اور شافعیؒ اس کے برعکس اور اس ہر جائی مقلد نے نماز حنفی اصول پر پڑھ کر حج شوافع کے طریق پر کر لیا تو ذوق حرکت اسے کسی طرف سے بھی نہ مل سکے گا، کیونکہ اس کی نماز تو ساکن رہی حنفی اصول پر اور حج ساکن رہا شافعی اصول پر؛ حالانکہ جو امام اپنے ذوق اجتہاد سے اس میں نماز کا سکون پیدا کرنا چاہتا تھا، وہ اسی ذوق سے اس میں حج کی حرکت بھی راسخ کرنا چاہتا تھا کہ اس مجموعہ ہی میں اس کی روحانی فلاح تھی لیکن جب اس مقلد نے آدھی تربیت ایک سے کرائی اور آدھی دوسرے سے؛ اور وہ بھی دونوں جانبوں کے سکون عبادت ہی کی جہت لے لی تو اول تو کسی امام کے رنگ پر بھی اس کی تربیت مکمل نہ ہوئی اور جتنی ناقص بھی ہوئی وہ بھی روحی مقام کی صرف ایک ہی جانب پر مشتمل رہی گویا یہ مقلد ناقص بھی رہا اور ایک جہت سمجھنے سے بھی خالی رہا اور اوپر سے کلیاتی تضاد حالی کا شکار بھی ہو گیا، جو اس کے فساد مزاج کا پورا پورا سامان ہے۔

یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک مریض یونانی طبیب کا علاج کراتے ہوئے بعض دوائیں ڈاکٹری بھی استعمال کرنے لگے، ظاہر ہے کہ دواؤں میں کوئی تعارض نہیں لیکن دواؤں کے مخفی سلسلے میں جس کو روش علاج اور طریق تدبیر کہنا چاہئے۔ اصولی تعارض ضرور موجود ہے جو مریض کے مزاج کو فاسد کر دینے کے لئے کافی ہے کیونکہ ڈاکٹر اپنے اصول اور روش علاج کے ماتحت مثلاً مریض کو دودھ کی تاکید کرے گا اور طبیب اپنی روش فن کے لحاظ سے روکے گا، ڈاکٹر مثلاً پھلوں کا استعمال ضروری قرار دے گا اور طبیب اس سے مانع آئے گا۔ ڈاکٹر ایک غذا تجویز کرے گا، طبیب اس کے خلاف دوسری، غرض ایک جزوی دوا کے استعمال میں بظاہر کوئی حرج محسوس نہیں ہوتا تھا مگر یہ دوا جس مجموعی روش اور جن ڈاکٹری اصول کے نیچے آئی ہوئی ہے وہ

یقیناً اس روش و اصول کے معارض ہیں جو طب یونانی کی دواؤں کی پشت پر ہیں اس لئے ایک جزوی دوا کے راستہ سے یہ اصولی تعارض مریض پر متضاد آثار ڈالے گا، اور مریض اس حالت میں زیادہ دن اپنی خیر نہیں مناسکے گا، مگر اس مخفی مضرت کو عوام نہیں صرف اطباء ہی پہچان سکتے ہیں جن کے قول پر اعتماد کرنے کے سوا مضرت سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔

### عدم تقلید یا نقیضین میں دائر سائر رہنے کے چند واضح مفاسد

ساتھ ہی اس پر بھی غور کیجئے کہ اس ہر جائی پن اور نقیضین میں دائر رہنے کی عادت کا طبعی اثر ایک دوسری نوعیت مفاسد کی یہ ہوگی کہ یہ شخص کئی کئی اماموں اور مفتیوں کی طرف رجوع کرتے رہنے کی حالت میں اپنے نفس کے لئے سہولتیں تلاش کرنے کا عادی ہو جائے گا کہ جدھر سہولت دیکھی ادھر ہی سے فتویٰ لے لیا اور ادھر ہی کا مقلد بن گیا اس صورت میں گویا یہ تقلید غیر معین غلبہ ہوا وہوس کے ماتحت اس کی مطلب براری کا ایک آلہ اور حیلہ ہوگی وہ ان کئی ائمہ کے پردہ میں درحقیقت مقلد اپنے نفس کا ہوگا جس کے سامنے طاعتِ حق نہ ہوگی بلکہ صرف اپنی راحت و سہولت اور نفسانی شہوت۔

مثلاً ایک شخص نے وضو کیا اور پھر خون نکلوایا جس سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وضو ٹوٹ گیا تو اس نے کہا کہ میں امام شافعیؒ کا فتویٰ لیتا ہوں کہ خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس کے بعد عورت کو شہوت سے ہاتھ لگایا جس سے امام شافعیؒ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے تو اس نے کہا کہ میں امام ابوحنیفہؒ کا فتویٰ لیتا ہوں کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا اور بلا تجرید وضو نماز پڑھ لی چونکہ اس شخص کا وضو بالا جماع ٹوٹ چکا ہے گو سبب مختلف ہوئے اس لئے اس کی نماز سب کے نزدیک باطل ہوئی۔ مگر یہ اپنے نزدیک پھر بھی اپنے کو متوضی اور مصلی سمجھ رہا ہے جس سے علاوہ فرق اجماع کے مفسدہ کے اس شخص کی اس ساری تحقیق اور تقلید کا حاصل حظ نفس اور مطلب

براری کے سوا کچھ نہ نکلا۔ گویا اس کا دین اس کے ہوا کے تابع ہو گیا نہ کہ ہوائے نفس دین کے تابع ہوئی۔ حالانکہ صریح ارشاد نبوی ہے:

عن عبد اللہ بن عمر قال: قال رسول اللہ ﷺ: لا يؤمن احدكم حتى يكون هواه تبعا لما جئت به (مشکوٰۃ)

عبداللہ بن عمر کی روایت ہے؛ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: تم میں سے کوئی شخص ایماندار نہیں بن سکتا جب تک کہ اس کی خواہش نفس میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔

پھر فروع میں اس قسم کی آزادی کا خوگر ہو جانے سے اصول میں بھی ایسی ہی آزادی کا آجانا غیر مستبعد نہیں رہتا بلکہ عادتاً ایسا ہو رہا ہے حالانکہ بنص حدیث شبہات میں پڑنے والا بالآخر حرام میں پڑ کر رہتا ہے۔

بہر حال ایسا مقلد عام جو بلا تعین مختلف ائمہ کے تقلید کا خوگر ہے وہ یقیناً نقیضین میں دائرہ سائر رہے گا، خواہ وہ تناقض جزئیاتی ہو یا کلیاتی ساتھ ہی ان متخالف اجتہادات کے آثار سے اس کا روحانی مزاج بھی فاسد ہوئے بغیر نہ رہے گا یا ہوائے نفس اس کے دین پر غالب آجائے گی یا وہ رضائے حق کا طالب نہ رہے گا یا اجماع امت کا ربقہ گلے سے نکال پھینکے گا اور نتیجہ فروع کی آزادی اصول تک پہنچ جائے گی اور اصول کو بھی وہ حظ نفس اور مطلب براری ہی کا ذریعہ بنا کر بالآخر سرے سے دین ہی کو کھو بیٹھے گا۔

یہی وجہ ہے کہ روحانی تربیت اور نفسانی معالجہ کے سلسلہ میں؛ جس کے اطباء انبیاء علیہم السلام ہیں، ایک نبی کی شریعت پر عمل کرتے ہوئے دوسری شریعت اور نبی کو حق جاننے کے باوجود اس پر عمل کرنے کی خاص طور سے ممانعت فرمائی گئی ہے۔ ادب تو اتنا کہ ایک نبی اور اس

کی شریعت کے انکار پر پورا دین ضبط؛ لیکن احتیاط اس پر یہ کہ اس سچے نبی کے ایک جزئیہ پر بھی بلا اجازت نبی زمان عمل ناجائز اور ممنوع جس کا راز یہی ہے کہ ہر شریعت کی تربیت کا رنگ جدا جدا ہے، نفس میں ان کے متضاد آثار پیوست ہونے سے اس نفس کی ہلاکت ہے نہ کہ تقویت، چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے سامنے یہ خیال ظاہر کیا کہ یہود کی بعض باتیں ہمیں بڑی اچھی معلوم ہوتی ہیں اگر اجازت ہو تو لکھ لیا کریں تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اتھو کون انتم کما تھوکت الیھود والنصارى لقد جئتکم بہا بیضاء نقیة

ولو کان موسیٰ حیا ما وسعہ الا اتباعی . (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

کیا تم اپنے احکام دین کے بارہ میں ابھی تک حیرت میں پڑے ہو جیسا کہ یہود و نصاریٰ حیرت میں پڑے ہوئے ہیں؟ بلاشک میں تمہارے پاس ایک صاف اور روشن شریعت لے کر آیا ہوں اور اگر موسیٰ بھی آج زندہ ہوتے تو انہیں بھی میرے اتباع کے سوا چارہ کار نہ تھا۔

اس اصول پر مریبان باطن حضرات صوفیائے کرام قدس اللہ اسرارہم نے اپنے طریق تربیت کی بنیاد تو حید مطلب پر رکھی ہے جس کا حاصل یہی ہے کہ ایک شیخ سے وابستہ ہو کر دوسرے کی طرف عملی رجوع کرنا باعث تباہی نفس ہے۔ رنگ بھی جدا جدا ہے، اور اسی رنگ کے مطابق ادب و تعظیم بلا استثناء سب کا ضروری لیکن اتباع صرف ایک کا کہ ہر مریبان باطن کا رنگ فطرت ہی الگ ہے اس سے پیدا شدہ اصولی تربیت کا نفوس پر احوال و کیفیات بھی اسی رنگ کے طاری ہونے ضروری ہیں پس اگر تو حید مطلب باقی نہ رہے، بلکہ طالب و سالک اپنے تلون کے تحت مختلف مشائخ میں دائر سائر پھرتا رہے تو اس میں یکسوئی، یک رنگی اور دلجمعی کی دولت کبھی پیدا نہیں ہو سکتی جو تمام کمالات باطن کی اساس ہے اور اس لئے اسے تمام عمر کبھی بشاشت و تمکین میسر نہیں آ سکتی جس کے لئے ساری ریاضتیں کی جاتی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ طریق نبوت ہو یا طریق ولایت، دونوں میں توحید مطلب کے بغیر تربیت کا کام نہیں چل سکتا، پھر اسی طریق کی روشنی میں اطباء جسمانی کو بھی یہی توحید مطلب بنام توحید مطب اختیار کرنی پڑی کہ اس کے بغیر مریض کی صحت ہی متوقع نہیں ہو سکتی۔

پس جو انتظام انبیاء علیہم السلام نے اپنی شان تربیت کو موثر بنانے کے لئے کیا، اولیاء نے اپنی شان معالجہ کو کامیاب بنانے کے لئے کیا۔ اطباء نے اپنے طریق علاج کو نتیجہ خیز کرنے کے لئے کیا جس کا نام توحید مطلب یا توحید مطب ہے، وہی انتظام بعینہ فقہاء ملت نے اپنی شرعی رہنمائی اور دینی تربیت کو پر اثر اور مشہور بنانے کے لئے فرمایا اور اپنی فقہی توحید مطلب کا نام تقلید شخصی یا تقلید معین رکھ کر یہ شرعی مطب کھول دیا، تاکہ ایک شخص ایک ہی فقہ کو اپنا دستور زندگی ٹھہرا کر کئی کئی فقہوں اور فقہیوں کے مخالف آثار تربیت کا شکار نہ بن کر اپنے دین پر یکسوئی طمانینت سے عمل پیرا رہے کہ اس کے یہ تشویش و پراگندگی اور مذکورہ مفاسد کے بچاؤ کی کوئی دوسری صورت نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ قرون خیر گزر جانے کے بعد دانا یا ن امت نے نظم ملت قائم رکھنے اور اسے تشنت و پراگندگی سے بچانے کے لئے اجتہاد و تقلید کا یہ ایک خاص نظام قائم کیا کہ نہ امت کو اجتہاد میں آزاد چھوڑا کہ ہر شخص مجتہد بن کر کتاب و سنت کو اپنے آراء و قیاسات کا کھلونا بنا لے اور نہ تقلید میں آزاد چھوڑا کہ جس کی چاہے اور جتنوں کی چاہے تقلیدوں میں چکر کھا کر اپنے نفوس کو تباہ کرے، بلکہ اجتہاد کا دائرہ بھی محدود رکھا جیسا کہ وہ تکویناً بھی محدود تھا اور تقلید کا دائرہ بھی تنگ کیا جیسا کہ وہ عقلاً تنگ ہی تھا کہ غیر معین نہ ہو اور معین ہو کر بھی کسی ایسے فرد کی ہو جو علم و عمل، ورع و تقویٰ، شعور و تشریح، علم لدنی، ادراک خواص، احکام اکتشاف، اسرار و علل، وجدان ظواہر و بواطن، احساس جزئیات و کلیات شریعت میں یگانہ ہو، حاذق ہو اور اوپر سے اس کی یہ علمی و عملی



قوت اسباب سے بالاتر ہو کر ایک موہبت الہی ہو جس کے ماتحت وہ اس آیت کا سچا مصداق ہو کہ:

وجعلنا ہم ائمة يهدون بامرنا لما صبروا و كانوا بآياتنا يوقنون . (الآية)  
 اور ہم نے انہیں امام بنایا جو ہمارے امر کی ہدایت کرتے ہیں جب کہ انہوں نے صبر اختیار کیا اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے رہے۔

یہاں صبر کے لفظ سے قوت عملیہ کی طرف اشارہ ہے کہ تمام طاعات کا مدار صبر ہے یعنی وہ صبر علی الطاعات اور صبر بین الشهوات میں راسخ القدم جو مطلق عمل سے آگے کا مرتبہ ہے جس کو حدیث جبریل میں احسان سے تعبیر فرمایا گیا ہے، ادھر ایقان سے قوت عملیہ کی طرف اشارہ ہے کہ علوم احساس یقین صادق ہی ہے، یعنی وہ شریعت اور اس کے جزوی اور کلی مقاصد کے بارہ میں کمال یقین کے ساتھ درجہ معرفت پر آیا ہوا ہو جو ایمان سے آگے کا مرتبہ ہے جس کو قرآن نے اطمینان سے تعبیر کیا ہے۔ ولکن لیطمئن قلبی۔

### قول ضعیف پر عمل

ضرورۃً اپنے مذہب کے قول ضعیف پر بھی عمل جائز ہے، شامی میں ہے:

وقيدہ البیری بالعامی ای الذی لا رأى له يعرف به معنی النصوص  
 حیث قال: هل يجوز للإنسان العمل بالضعيف من الرواية في حق نفسه؟ نعم  
 اذا كان له رأى . اما اذا كان عاميا فلم أره لكن مقتضى تقييده بذي الرأى انه  
 لا يجوز للعامي ذلك . قال في خزانة الروايات: العالم الذي يعرف معنی  
 النصوص والاخبار وهو من اهل الرواية يجوز له ان يعمل عليها وان كان  
 مخالفاً لمذهبه اهـ . قلت: ولكن هذا في غير موضع الضرورة فقد ذكر في

حيض البحر في بحث الوان الدماء اقوالاً ضعيفة ثم قال: وفي المعراج عن فخر الائمة لو افتي مفتى بشيء من هذه الاقوال في مواضع الضرورة طلباً للتيسير كان حسناً، وكذا قول ابي يوسف في المنى: اذا خرج بعد فتور الشهوة لا يجب به الغسل ضعيف واجازوا العمل به للمسافر و الضيف الذي خاف الريبة كما سيأتي في محله .

(شامى : ١ / ٥١، بحر الرائق : ١ / ٥٨، رسم المفتى : ص / ٢٦)

احكام حيض میں الوان حیض کے متعلق مختلف ضعیف رائیں ذکر کی گئی ہیں، معراج میں فخر الائمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر مواضع ضرورت میں طلب سہولت کیلئے کوئی مفتی ان اقوال میں سے کسی قول پر فتویٰ دیدے تو بہتر ہوگا، امام ابو یوسف نے فتور شہوت کے بعد خروج منی کی صورت میں کہا ہے کہ غسل واجب نہیں ہوگا یہ قول ضعیف ہے، لیکن مسافر یا مہمان جو تہمت کا خوف رکھتا ہو اگر اس پر عمل کرے تو ایسا کرنا درست ہوگا، اور غسل واجب نہ ہوگا کہ یہ ضرورت کے مواقع میں سے ہے۔ (شامی: ١/٥١)

اسی طرح صاحب ہدایہ نے مختارات النوازل میں لکھا ہے: قال فی فصل النجاسة والدم: اذا خرج من القروح قليلاً قليلاً غير سائل ليس بمانع وان كثر وقيل لو كان بحال لو ترکه یسل یمنع .

پھر اس مسئلہ کو نو اقتض و ضوء میں ذکر کیا ہے، مولانا مفتی شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ یہ قول شاذ ہے، صاحب ہدایہ سے پہلے کسی نے بیان ہی نہیں کیا، لیکن صاحب ہدایہ اصحاب تریح میں سے ہے، لہذا معذور کے لئے ان کی تقلید ضرورہ جائز ہوگی۔ (جوہر الفقہ: ١/١٦٢)

رسم المفتی میں ہے:

ولا يجوز بالضعيف العمل . ولا يجاب من جاء يسأل ( الا لعامل له  
ضرورة او من له معرفة. (ص / ۲۶)

خزانة الروایات میں ہے کہ جو عالم دین نصوص و اخبار کے معانی سے واقف ہو اور  
اصحاب درایت سے ہوا سکے لئے نصوص پر عمل کرنا درست ہے گو اس کے مذہب کے خلاف ہو۔  
(شامی: ج ۱، ص ۵۱)

### ائمہ اربعہ کے علاوہ کا قول

سلم الوصول شرح نہایت السول میں ہے کہ اگر کسی مجتہد اور فقیہ کو مذاہب اربعہ کے علاوہ  
کسی مذہب کا علم حاصل ہو اور وہ ثقہ عادل سے نقل ہوتا ہو اس تک پہنچا اور وہ کتاب و سنت اور  
اجماع کے مخالف نہ ہو تو بھی صرف اسی مجتہد کو اس پر عمل کرنا جائز ہے، وہ دوسروں کو اسکے مطابق  
فتویٰ نہیں دے سکتا۔

ولا يجوز له ان يفتى به غيره في البلاد التي لم يشتهر فيها ذلك  
المذهب لانه انما وصل اليه فقط بطريقه الآحاد ولم يتواتر ولم يشتهر في  
تلك البلاد. (سلم الوصول : ج / ۲، ص / ۲۲۲)

مصر کے متعلق فرماتے ہیں کہ مذہب اربعہ کے علاوہ مذہب اس ملک میں حد شہرت کو نہیں  
پہنچا ہے، لہذا مصر میں مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی مجتہد کے قول پر فتویٰ دینا جائز نہیں ہے۔

غير ان ديارنا المصرية لم يعرف ولم يشتهر غير مذاهب ائمة اربعة فهى  
التي دونت كتبها في بلادنا وغيرها من سائر الامصار فلا يجوز الافتاء في  
هذه البلاد التي اشتهر فيها مذاهب الائمة الاربعة الا بواحد منها، ولهذا قال  
بعض العلماء في مذاهب الائمة الاربعة : وواجب التقليد حبر منهم. وكذا

حکى القوم بلفظ يفهم .

و جائز تقليد غير الاربعة فى غير افتاء وفى هذا سعة .

(سلم الوصول: ۲/۶۲۵، اصول الفقه اسلامى: ۲/۱۱۶۸)

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ہندوستان و ماوراء النہر میں امام صاحب کے مذہب کی تقلید ضروری ہے۔ (الانصاف: ۶۹، ۷۰) النہر الفائق شرح کنز الدقائق میں بھی اس طرح مذکور ہے۔

حضرت تھانویؒ سے سوال کیا گیا: سوال: ائمہ اربعہ شریعت میں سے آپ کے نزدیک باعتبار قوتہ دلیل کس کا مذہب قوی ہے، اور باعتبار احتیاط کے کس کا اور باعتبار سہولت کے کس کا؟ جواب: یہ سوال جب کیا جاسکتا ہے جب دوسرے مذہب کی تقلید تام ممکن ہو اور ہندوستان میں یہ ممکن نہیں۔ (امداد الفتاویٰ: ج ۴، ص ۶۳)

ابن تیمیہؒ نے ایک قصہ نقل کیا ہے کہ مجھ سے محمد بن یحییٰ نے قاضی ابویعلیٰ سے نقل کیا کہ انہوں نے ایک فقیہ کا قصد کیا تا کہ ان سے امام کے مذہب کے مطابق مسائل کا علم حاصل کرے، انہوں نے (فقیہ) ان کے شہر کے متعلق دریافت کیا، قاضی ابویعلیٰ نے بتایا کہ میرے شہر کے لوگ شافعی مذہب کے مطابق عمل کرتے ہیں تو فقیہ صاحب نے ان سے کہا کہ جب تمہارے سارے شہر والے شافعی مذہب پر ہیں تو تم نے مذہب شافعی سے عدول کیوں کیا؟ تم نے صرف لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے ایسا کیا ہے، یہ تمہارے لئے درست نہیں ہے کیوں کہ جب پورے شہر میں تم اکیلے مذہب احمدی ہو گے تو کسی کو بھی اپنے ساتھ عبادات اور درس و تدریس میں شریک نہیں کر سکتے ہیں۔

بل کونک علی مذہب الشافعی و اهل بلدک علی مذہبہ اولی .

(المسودہ: ۵۵: ۴۸۳)

لہذا ائمہ اربعہ کے متفق علیہ مسئلہ کو چھوڑ کر دیگر ائمہ مجتہدین کے قول پر عمل نہ کیا جاوے  
البتہ فقہاء اصولیین کی کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شدید ضرورت کے وقت ہی عدول  
کی گنجائش ہے اور وہ بھی محرمات شرعیہ میں نہیں جہاں احتیاط ہی اولیٰ ہوتا ہے، حضرات اصولیین  
نے تو تقلید صحابی سے بھی منع کیا ہے۔ (شرح اسنوی: ج ۳، ص ۳۵۰، کتاب المیزان  
ص ۲۶، فواتح الرحموت: ج ۲، ص ۲۰۶)

علامہ نابلسی نے تقلید صحابی سے عوام کو روکنے پر اجماع نقل کیا ہے۔

(خلاصہ التحقیق: ص ۳)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فقہ اکیڈمی دہلی کے ایک افتتاحی اجلاس کے

موقع پر فرماتے ہیں:

”اور اس میں کوئی شک نہیں کہ علماء کے نقطہ نظر سے یہ وقت کا اہم ترین تقاضہ ہے کہ  
علماء باہم سر جوڑان مسائل کا حل امت مسلمہ کے سامنے پیش کریں جو آج امت کے لئے چیلنج  
بنے ہوئے ہیں، لیکن جب میں یہ کہتا ہوں کہ وقت کا بہت بڑا تقاضہ ہے کہ علماء یہ کام کریں تو  
مجھے چند وہ جملے بھی یاد آتے ہیں جو بسا اوقات مختلف حلقوں کی طرف سے بار بار اٹھائے جاتے  
ہیں کہ علماء کو وقت کے تقاضے کے پیچھے چلنا چاہئے، علماء کو وقت کے تقاضوں کے مطابق کام کرنا  
چاہئے اور وقت کے تقاضوں کو سمجھنا چاہئے، یہ جملہ جس اجمال کے ساتھ بولا جاتا ہے اس کا صحیح  
مطلب بھی ہو سکتا ہے اور غلط مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ وقت کے تقاضہ کا مفہوم بسا اوقات لوگ  
یہ بیان کرتے ہیں کہ مغرب سے جو ہوا چل کر آوے، مغرب سے جو فکر، جو فلسفہ، جو نظر یہ  
اور جو طرز عمل ہمارے ملکوں میں درآمد ہو گیا، بجائے اس کے کہ اس کو بدلا جائے، اس کے  
بجائے اسلام کو بدل کر اس کے مطابق کیا جائے، اسے وقت کا تقاضہ قرار دیا جاتا ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ سود، ربوا کا چلن ہوا تو لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ صاحب اس

وقت کا تقاضہ یہ ہے کہ مسلمان سود کو جوں کا تو قبول کر لیں، ایک زمانہ آیا کہ اشتراکیت اور سوشلزم کا ڈنکا بجا، اور انہوں نے دنیا کے اندر اپنے نظریات کو پھیلا نا شروع کیا، دنیا کے مختلف ملکوں اور سلطنتوں میں ان کا نظام رائج ہوا، اس کا شور شرابہ ہوا تو اس کے نتیجہ میں ایک جماعت نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ سوشلزم کو، اشتراکیت کو اسلام کے مطابق ڈھال دیا جائے، وقت کا تقاضہ یہ ہے۔ غرض جونئی و با مغرب سے درآمد ہو اسلام کو اس کے مطابق بنانے اور اس کو اسلام کے اندر داخل کرنے کے لئے وقت کے تقاضہ کا عنوان استعمال کر لیا جاتا ہے۔

یہ ”مجمع الفقہ الاسلامی“ درحقیقت ایسے وقت کے نام نہاد تقاضوں کے پیچھے نہ ہے اور نہ ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ، یہاں وقت کے تقاضوں سے مراد یہ ہے کہ بے شمار مسائل آپ کی زندگی کے اندر ایسے پیش آگئے ہیں کہ ہمیں ان کا صریح حکم کتاب اللہ میں یا سنت رسول اللہ ﷺ میں یا فقہاء کرام کے کلام میں نہیں ملتا، جسے آپ اصطلاحی اعتبار سے ”اجتہاد فی المسائل“ کہہ سکتے ہیں، تو اجتہاد فی المسائل کے ذریعہ ان مسائل کا حل تلاش کیا جائے اور وسعت نظر کے ساتھ کیا جائے، پورے اسلامی مزاج کے ساتھ کیا جائے، اس کے اندر کسی اجنبی نظریہ اور فلسفہ سے مرعوب ہو کر نہیں، بلکہ حقیقی اسلامی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کا حل اسلامی اصولوں کے دائرہ میں رہ کر تلاش کیا جائے اور اس سے باہر نہ جایا جائے، یہ ہے مجمع (اکیڈمی) کا اصل مقصد اور اسی لئے اس میں الحمد للہ مختلف الحیال، مختلف اداروں سے تعلق رکھنے والے موجود ہیں اور پچھلے دنوں جو تحقیقات سامنے آئی ہیں، اللہ کے فضل و کرم سے ان میں بنیادی اصولوں کا لحاظ نظر آتا ہے، امید ہے کہ یہ اکیڈمی ان راستوں پر چلے گی، تو ان شاء اللہ اس امت کے لئے بہترین مسائل کا حل پیش کرے گی۔

لیکن میں آخر میں اس سلسلہ کے ایک اہم نکتہ کی طرف آپ حضرات کو توجہ دلانا

چاہتا ہوں، بلکہ توجہ دلانا بے ادبی کی بات ہوگی، سارے حضرات اکابر علماء ہیں، محض تذکیراً اور تکرار کے طور پر عرض کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ چونکہ ہم ایک ایسے معاشرہ میں جی رہے ہیں جس میں مغرب کا سیاسی اور فکری تسلط قائم ہے، سیاسی اعتبار سے پوری دنیا کے اوپر مغرب مسلط ہے، فکری اعتبار سے بھی مغرب کے افکار اور ان کے نظریات و فلسفے مسلط ہیں، اور یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ ”جس کا لاٹھی اس کی بھینس“، جس کے پاس ہتھیار اور جس کے پاس قوت ہو تو لوگوں کو بات بھی اسی کی سمجھ میں آتی ہے اور جلدی سے سینے میں اتر جاتی ہے، تو اس واسطے مغرب نے جو افکار ہمارے یہاں پھیلا دیئے اور صدیوں کی محنت کے بعد پھیلانے، ہمارے نظام تعلیم کے اندر وہ افکار پھیلا دیئے، ان کی موجودگی میں اس بات کا بڑا قوی اندیشہ ہے کہ بعض ایسی چیزوں کو وقت کی ضرورت قرار دیا جائے جو درحقیقت وقت کی ضرورت نہیں ہیں، محض مغرب کے پروپیگنڈہ نے اسے وقت کی ضرورت قرار دے دیا، یہ ”وقت کی ضرورت“ ایک ایسا مجمل لفظ ہے جس کے اندر بہت کچھ سما سکتا ہے، اس لئے وقت کی ضرورت کے ہتھیار کو استعمال کرتے ہوئے ان کے دودھاریں اپنے ذہن میں رہنی ضروری ہے، یہ دودھاری ہتھیار ہیں، اس سے امت مسلمہ کے مسائل بھی حل ہو سکتے ہیں اور اس سے امت مسلمہ کا کام بھی تمام ہو سکتا ہے، اس لئے ہم جب وقت کی ضرورت کا لفظ استعمال کریں تو یہ بات ہمارے ذہن میں ہونی چاہئے کہ محض پروپیگنڈہ کے شور و شغب سے مرعوب ہو کر ہم یہ نہ کہہ بیٹھیں کہ یہ بھی وقت کی ضرورت ہے، بلکہ ہم یہ دیکھیں کہ ہمارے اپنے اصول، ہمارے اپنے قواعد کے لحاظ سے یہ ضرورت ہے یا نہیں؟

اسی ضمن میں یہ سوال بہ کثرت اٹھتا ہے کہ کیا ان مسائل کو طے کرتے وقت کسی ایک فقہی مذہب کی پیروی کرنی چاہئے، یا مختلف فقہی مذاہب کو سامنے رکھ کر اور اس میں سے جو ضرورت کے مطابق معلوم ہو اس کو اختیار کر لینا چاہئے۔

میں خاص طور پر آپ حضرات سے باادب عرض کرنا چاہتا ہوں کہ خاص اس دور میں معاملات کے شعبہ میں چونکہ معاملات پیچیدہ ہوتے ہیں، بے شمار مسائل سامنے آگئے ہیں، لہذا اگر ایک شخص حنفی مذہب کا پیروکار ہے اور وہ کسی ضرورت کی وجہ سے، عموم بلوئی کی خاطر وہ مسائل وقت کو حل کرنے کی خاطر دوسرے کسی امام کے قول کو اختیار کر لے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، یہ جائز ہے اور نہ صرف جائز ہے بلکہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو باضابطہ وصیت فرمائی تھی کہ اس دور میں جب کہ معاملات پیچیدہ ہو گئے ہیں اگر ائمہ اربعہ کے دائرہ میں رہتے ہوئے کسی بھی فقہی مذہب میں کوئی گنجائش مل جائے تو اس دور کے لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرنی چاہئے۔

لیکن اس میں ادق ترین نکتہ ہے جو بسا اوقات افراط و تفریط کا شکار ہو کر فراموش ہو جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ مختلف مذاہب میں سے ”عموم بلوئی“ کی خاطر کوئی قول اختیار کر لینا اور بات ہے، اور اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کی خاطر مذاہب (فقہی مسالک) کو گڈمڈ کرنا بالکل جدائی ہے، یعنی اگر کوئی شخص محض اس بنیاد پر کہ میری خواہش نفسانی، میرے مفاد ایک مذہب سے پورے ہو رہے ہیں دوسرے سے پورے نہیں ہو رہے ہیں، تو اس بنیاد پر اگر وہ ایک مذہب کو چھوڑ کر اپنے ذاتی مفاد کی خاطر دوسرا مذہب اختیار کرتا ہے تو اس کی کسی کے نزدیک اجازت نہیں، یہ اتباع ہوئی ہے، یہ خواہشات نفسانی کی اتباع ہے، یہ شہوت پرستی ہے۔

آج جب کہ ان مسائل کو حل کرنے کے لئے یہ عام رجحان پیدا ہوا، پورے عالم اسلام میں خاص طور پر عرب ممالک میں یہ رجحان بہت پیدا ہوا کہ ان معاملات کو حل کرنے کے لئے مختلف مذاہب سے رہنمائی حاصل کی جائے، اور کسی ایک مذہب کی اتباع نہ کی جائے، جب یہ لے آگے بڑھی تو اس نے ”جمع بین المذاہب“ کا راستہ اختیار کر لیا، اتباع ہوئی کے بارے میں



علامہ ابن تیمیہ فتاویٰ کے اندر لکھتے ہیں:

”اگر کوئی شخص ذاتی خواہش کی خاطر دوسرے مذہب کو اختیار کرتا ہے تو یہ کسی کے نزدیک جائز نہیں، بلکہ حرام ہے۔“ حالانکہ علامہ ابن تیمیہ تقلید کے سخت مخالف ہیں، اتباع ہوئی کو وہ بھی حرام قرار دیتے ہیں۔

اس لئے میری گزارش یہ ہے کہ بے شک دوسرے مذاہب (فقہی مسالک) خاص طور پر معاملات کے اندر، دوسرے مذاہب سے لے لینے کی گنجائش ہے، لیکن یہ اس وقت جب کہ واقعی کوئی ضرورت داعی ہو اور واقعہً اس سے مسلمانوں کے کسی اجتماعی مسئلہ کا حل نکلنا مقصود ہو، اس صورت میں اس کی گنجائش ہے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ یہ علماء کا مجمع ہے ان کے سامنے کہنے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن یہ اس لئے میں نے تذکیر اور تکراراً عرض کر دی کی جب ہم کسی ایک جانب جھکیں تو ایسا نہ ہو کہ دوسری جانب کا خیال ہمارے دل سے اوجھل ہو، یہ کام بڑا نازک ہے، یہ پل صراط ہے، تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے، اس میں اس کا خیال رکھنا ہے کہ وقت کی ضروریات پوری ہوں، مسلمانوں کے مسائل حل ہوں، اس شریعت کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت رکھی ہے کہ یہ آنے والے ہر بڑے سے بڑے مسئلہ کا حل رکھتی ہے اور جب یہ تصور آپ سامنے رکھتے ہوئے جواب دیں گے تو ان شاء اللہ امت کے مسائل حل ہوں گے۔

(دین کی تفہیم و تشریح: ص ۸ تا ۱۲)



\*\*\*\*\*

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## خلاصہ بحث

قرآن و حدیث کی بے شمار نصوص میں جہاں احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہیں اتباع ہوئی سے بار بار منع فرمایا گیا، اسی لئے حضرات فقہائے کرام احکام میں اتباع ہوئی کے سخت مخالف ہیں۔ دوسری طرف یہ بات بھی تجربہ سے معلوم ہے کہ اگر عوام کو آزاد چھوڑ دیا جاوے کہ جس مسئلہ میں جس امام کے مسلک پر عمل کرنا چاہے کر سکتے ہیں تو وہ دین کو کھلونا بنا دیں گے لہذا اتباع ہوئی سے بچنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ عوام کو امام واحد کی تقلید پر مجبور کیا جاوے۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے فتاویٰ (ج: ۲، ص: ۲۴۰) میں تفصیل سے یہ بات لکھی ہے کہ تمام امت کا اتفاق ہے کہ جو شخص خواہشات کی پیروی کرنے کیلئے ائمہ مجتہدین کے مذاہب تلاش کرتا ہے اور اپنی خواہش پر عمل کر کے اسکو کسی امام کی طرف منسوب کرتا ہے تو وہ خدا تعالیٰ اور رسول ﷺ کا متبع نہیں بلکہ متبع ہوئی ہے لان ذلك يفتح باب التلاعب بالدين ويفتح الذريعة ان يكون التحرم والتحليل بحسب الالهواء اسی طرح کتاب المیزان میں بھی ہے۔

جب یہ بات متعین ہوگئی کہ سلف کے اقوال و تحقیقات پر اعتماد ضروری ہے، تو پھر یہ ضروری ہو گیا کہ جن اقوال پر اعتماد کیا جا رہا ہے وہ سند صحیح سے مروی، مشہور کتابوں میں مدون ہوں اور ان پر ایسا کام ہوا ہو کہ اس میں راجح و مرجوح اور عام و خاص کا امتیاز آسان ہو، جہاں اطلاق پایا جاتا ہے وہاں یہ پتہ چل سکے کہ اس میں قید کیا ہے؟ مختلف اقوال میں تطبیق دی جا چکی ہو، اور احکام کے علل پر روشنی ڈالی جا چکی ہو، نہیں تو ایسے مذاہب و اجتہادات پر اعتماد صحیح نہیں

ہوگا، ان پچھلے ادوار میں کوئی مذہب (فقہی) بھی ایسا نہیں ہے، جن میں یہ صفات پائی جاتی ہوں اور یہ شرطیں پوری ہوتی ہو، سوائے ان مذاہب اربعہ کے۔“

(اجتہاد کی حاجت و ضرورت: ص ۱۷، ۱۸)

تتبع رخص عام حالات میں تشبیہ، لہو و لعب اور خواہشات کی پیروی کی بنیاد پر ناجائز ہے، ہاں! اگر کسی خاص مسئلہ میں عذریہ مرض کی ضرورت کی بنیاد پر ہو تو مخصوص شرائط کے ساتھ جائز ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ شریعت نے جہاں خواہشات کی اتباع اور لہو و لعب سے روکا ہے وہیں دوسری طرف احکام میں یسر و سہولت کے پہلو کی رعایت کی ہے، اور دین میں اللہ تعالیٰ نے کوئی تنگی نہیں رکھی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدھے اور آسان دین کے ساتھ بھیجا گیا ہے لہذا اس مسئلے میں ان دونوں پہلوؤں کی رعایت ضروری ہے۔

مسئلہ کی نزاکت کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ کسی بھی مسئلہ میں ائمہ کے اقوال میں آسان قول کو اختیار کرنے کے سلسلے میں کوئی ضابطہ مقرر کر دیا جائے، تاکہ تباہ کن اباحت پسندی اور دین سے متنفر کرنے والی تنگی دونوں کا سدباب ہو سکے، اس سلسلہ میں درج ذیل اصول کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

(۱) ”الامر إذا ضاق اتسع“ مشہور فقہی قاعدہ ہے، اس کی رو سے جب کسی مسئلہ میں تنگی پیدا ہوگی تو شریعت اس تنگی کو دور کر کے وسعت پیدا کرے گی، تو جب کسی مبتلی بہ کو کسی امر میں ایسی تنگی، حرج اور دشواری پیش آئے، جسے وہ برداشت نہیں کر سکتا تو ایسی صورت میں اس کے لئے جائز ہوگا کہ وہ کسی دوسرے امام کے قول کو اختیار کرے جس میں دفع حرج و مشقت ہو۔

(۲) لیکن اس صورت میں اس پر لازم ہوگا کہ وہ ان ارباب علم و ذکر اور اصحاب فتویٰ

سے رجوع کرے جو دین کا گہرا علم رکھتے ہوں، اور ورع و تقویٰ کی صفت سے متصف ہونے کی وجہ سے دین کی اساس اور بنیاد سمجھے جاتے ہوں، تاکہ وہ خواہش نفس اور شیطان کے مکر و فریب کا شکار نہ ہو، کیوں کہ ایک عامی انسان بسا اوقات ضرورت اور اتباع ہوی کے درمیان فرق نہیں کر سکتا ہے۔

(۳) اس پر لازم ہے کہ ائمہ اربعہ کے مذاہب سے تجاوز نہ کرے جو صدیوں سے مدون اور منقح صورت میں ہمارے پاس موجود ہیں اور جن پر زمانہ قدیم سے عمل ہوتا چلا آ رہا ہے! کیوں کہ ائمہ اربعہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے مذاہب جو فقہی کتابوں کے ذخیروں میں منقول و مذکور ہیں وہ عام طور پر ثقہ راویوں کی روایت سے مروی نہیں ہیں اور ثقہ علماء فقہاء کی زبانی ہر دور میں تو اتر کے ساتھ نقل نہیں ہوئے ہیں، اسی طرح وہ شرائط اور قیود بھی ہمیں معلوم نہیں ہیں جو ان کے نزدیک معتبر رہی ہوں گی۔

(۴) لیکن اگر مسئلہ عموم بلوی کی وجہ سے اجتماعی ہو گیا ہو یا ایسا مسئلہ جو حالات اور زمانہ کی تبدیلی یا نئے عرف کی وجہ سے پیدا ہوا ہو، خاص طور پر لوگوں کے معاملات، مثلاً: تجارت، صنعت و حرفت اور تجارت، صنعت کار اور اہل پیشہ کی عادات سے متعلق ہو، خصوصاً بین الاقوامی معاملات میں، تو ایسی صورت میں علماء راہنہ اور اصحاب تقویٰ فقہائے کرام پر لازم ہے کہ وہ ان مشکلات اور پیچیدہ مسائل کا حل شریعت کے مقاصد اور قواعد کلیہ کی روشنی میں نئے حالات کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اجتماعی اجتہاد کے ذریعہ تلاش کریں اور ان کے لئے ائمہ ہدیٰ میں سے کسی ایک کے قول سے دوسرے کے قول کی طرف درج ذیل شرطوں کے ساتھ عدول کرنا جائز ہے:

(۱) دوسرا قول شاذ نہ ہو۔

(۲) نص سے ٹکراتا نہ ہو۔ (مباحث فقہیہ: ۱۸۲)

ضرورت کی وجہ سے مذہب غیر کو لیکر اس چیز کے جواز پر فتویٰ ہو سکتا ہے جس کا جواز مذہب غیر میں منصوص ہو۔ غیر مجتہد کو یہ جائز نہیں کہ منصوص فی مذہب الغیر پر قیاس کر کے کسی ایسی چیز کا جواز ثابت کرے جو دوسرے مذہب میں منصوص نہ ہو اور پھر ضرورت کی وجہ سے اس اپنے مستخرجہ جواز پر فتویٰ دے جیسے کہ بعض لوگوں نے علامہ شامی کے زمانہ میں ضرورۃ کا دعویٰ کر کے تلاوت قرآن علی القبر وغیرہ کی اجرت کو جائز رکھا تھا۔

حاصل یہ کہ افتاء بمذہب الغیر ہر زمانہ میں جائز ہے، بشرطیکہ سخت ضرورت ہو کہ مذہب غیر کیلئے بدون کوئی تکلیف ناقابل برداشت پیش آ جاوے۔ (الحیلۃ الناجزۃ: ص ۵۰)

اور ایک شرط مذہب غیر پر عمل کرنے کی جمہور علماء کے نزدیک یہ بھی ہے کہ تلفیق خارق اجماع نہ ہو، حتیٰ کہ صاحب درمختار نے اس پر اجماع بایں الفاظ بیان کیا ہے: ان الحکم الملق باطل بالاجماع

ان اقوال مختلفہ میں سے یہ قول اعدل الاقوال ہے کہ عمل واحد میں تلفیق خارق للاجماع کی اجازت نہ ہو اور دو عمل جدا گانہ ہوں تو ان میں تلفیق کی اجازت دی جائے، گویا ہر خلاف اجماع لازم آتا ہو مثلاً کوئی شخص بے ترتیب وضو کرے تو شافعیہ کے نزدیک وضو صحیح نہیں اور کوئی شخص رُبع رُبع رُبع رُبع سے کم مسح کرے تو حنفیہ کے نزدیک وضو نہیں ہوتا، پس اگر کوئی شخص اس طرح وضو کرے کہ ترتیب کی رعایت نہ ہو اور مسح کرے رُبع رُبع رُبع سے کم کا تو کسی کے نزدیک بھی وضو نہیں ہوا۔ اور یہ تلفیق خارق اجماع ہے اور اگر کسی نے وضو میں چوتھائی سر سے کم کا مسح کیا اور نماز میں فاتحہ خلف الامام نہ پڑھی تو ظاہراً اس صورت میں بھی خرق اجماع لازم آتا ہے کہ وضو شافعیہ کے مذہب پر ہے اور نماز حنفیہ کے مذہب پر، مگر وضو جدا عمل ہے اور نماز جدا، اس واسطے

یہ تلفیق منع نہیں۔

اور ضرورتِ شدیدہ اور ابتلائے عام کے وقت حنفیہ کے نزدیک دوسرے ائمہ کے مذہب کو اختیار کر کے اس پر فتویٰ دیدینا بھی جائز ہے، لیکن عوام کو خود اپنی رائے سے جس مسئلہ میں چاہیں ایسا کر لینے کی اجازت نہیں بلکہ بڑے احتیاط کی ضرورت ہے۔

اور اس زمانہ میں احتیاط اس طرح ہو سکتا ہے کہ جب تک محقق و متدین علمائے کرام میں سے متعدد حضرات کسی مسئلہ میں ضرورت کا تحقق تسلیم کر کے دوسرے امام کے مذہب پر فتویٰ نہ دیں اس وقت تک ہرگز اپنے امام کے مذہب کو نہ چھوڑے؛ کیوں کہ مذہب غیر کو لینے کے لئے یہ شرط ہے کہ اتباع ہوئی کی بناء پر نہ ہو، بلکہ ضرورت داعیہ کی وجہ سے ہو اور ضرورت وہی معتبر ہے جس کو علمائے اہل بصیرت ضرورت سمجھیں اور نیز یہ بھی ضرور ہے کہ فتویٰ دینے والا ایسا شخص ہو جس نے کسی ماہر استاد سے فن حاصل کیا ہو اور اہل بصیرت اس کا فقہ میں مہارتِ تامہ حاصل ہونے پر شہادت دیتے ہو۔

مگر کسی مسئلہ میں دوسرے امام کا مذہب لینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں اس امام کے نزدیک جو شرطیں ہوں ان سب کی رعایت کی جاوے۔

کسی دوسرے امام کا قول اختیار کرنے کے لئے چند باتوں کا اطمینان کر لینا ضروری ہے۔  
 (۱) سب سے پہلے تو یہ کہ واقعہً مسلمانوں کی اجتماعی ضرورت متحقق ہے یا نہیں؟ ایسا نہ ہو کہ محض تن آسانی کی بنیاد پر یہ فیصلہ کر لیا جائے، اس اطمینان کا طریقہ یہ کہ کوئی ایک مفتی خود رائے کے ساتھ یہ فیصلہ نہ کرے بلکہ دوسرے اہل فتویٰ حضرات سے مشورہ کر لے، اگر وہ بھی متفق ہو تو اتفاق رائے کے ساتھ ایسا فتویٰ دیا جائے۔

(۲) جس امام کا قول لیا جائے اس کی پوری تفصیلات براہ راست اس مذہب کے اہل

فتویٰ علماء سے معلوم کی جائیں۔ محض کتابوں میں دیکھنے پر اتفاق نہ کیا جائے کہ بسا اوقات اس قول کی بعض ضروری تفصیلات عام کتابوں میں مذکور نہیں ہوتی اور ان کے نظر انداز کر دینے سے تلفیق کا اندیشہ رہتا ہے۔

(۳) ائمہ اربعہ سے خروج نہ کیا جائے کیوں کہ ان حضرات کے علاوہ کسی بھی مجتہد کا مذہب مدون شکل میں ہم تک نہیں پہنچا اور نہ ان کے تبعین اتنے ہوئے ہیں کہ ان کا کوئی قول استفاضہ یا تواتر کی حد تک پہنچ جائے۔ (البلاغ: ص ۴۲۰)

ضرورت کا استعمال :- طین شارع کو محض ضرورت و دفع حرج کیلئے طاہر قرار دیا گیا ہے، ماقبل میں قلتین کے مسئلہ پر عمل کی امام ابو یوسف کی روایت بلکہ عمل گذر چکا، اسی طرح بحر الرائق کے حوالے سے جمع بین الصلا تین کی روایت ذکر کی گئی۔

اسی طرح وہ امور جو عبادات و معاملات میں دائر ہیں یعنی نکاح و طلاق اسمیں بھی مذہب غیر اپنایا گیا ہے، مسئلہ مفقود میں مالکیہ کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ (شامی: ج ۳، ص ۳۳۰) اسی طرح عدت کی بعض صورتوں میں بھی مالکیہ کے قول کو اختیار کیا گیا ہے۔

معاملات بیع و ثراء اور شرکت وغیرہ تو اور بھی اہون ہیں، فقہائے کرام عرف و تعامل کی بنیاد پر توسع اختیار فرماتے رہے ہیں، ماقبل میں استصناع کی مثال گذر چکی۔ عرف کی وجہ سے تو نصوص میں اور بھی تخصیص کر دی جاتی ہے۔ تعامل کی وجہ سے قیاس کو بھی نظر انداز کیا جاتا ہے۔ (بدائع: ج ۵، ص ۱۷۲)

حضرت تھانوی فرماتے ہیں: اختلاف مسائل میں اگر ابتلائے عام ہو تو اسکو بھی جائز ہی بتلائیں گے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ شریعت میں وسعت ہے اور معاملات بہت گندے ہو رہے ہیں؛ اگر مختلف فیہ امور کو حرام بتلایا جاوے گا تو اگر اس پر کوئی عمل کرے گا تو اسکو تنگی ہوگی، جس کا نتیجہ

یہ ہوگا کہ وہ شریعت کو تنگ سمجھنے لگے گا، اس لئے تنگی میں غلو نہ کرنا چاہئے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ وسعت ہونے سے اعتقاد درست ہوگا کہ شریعت کیسی اچھی چیز ہے اور کیسی رحمت ہے۔

(فقہ حنفی کے اصول و ضوابط)

حضرت تھانویؒ ضرورت پر گفتگو فرماتے ہوئے لکھتے ہیں ”ضروری چیز کا معیار یہ ہو اگر وہ نہ ہو تو کوئی ضرر مرتب ہو“۔ (مجالس حکیم الامت: ص ۱۰۳) ”ہر چیز کی ضرورت کا معیار یہ ہے: جس کے بغیر تکلیف ہو وہ ضروری ہے اور جس کے بغیر تکلیف نہ ہو وہ غیر ضروری ہے۔“

(امداد الفتاویٰ: ج ۴، ص ۹۴)

علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ ضرورت و مقتضیات زمانہ کی وجہ سے بھی احکام میں تغیر ہوتا ہے۔ بہت سے احکام زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ بدل جاتے ہیں اس لئے کہ اہل زمانہ کا عرف بدل جاتا ہے، نئی ضرورتیں پیدا ہوتی ہیں، اہل زمانہ میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ اب اگر شرعی حکم پہلے کی طرح باقی رکھا جائے تو یہ مشقت اور باعث ضرر ہوگا اور ان اصول و قواعد کے خلاف ہوگا۔ سہولت و آسانی اور نظام کائنات کو عمدہ طریقہ پر رکھنے کیلئے ضرر فساد کے ازالے پر مبنی ہے۔ (رسائل ابن عابدین: ج ۱، ص ۱۲۶)

جنون کی وجہ سے فسخ نکاح کے قائل صرف امام محمدؒ ہیں لیکن ضرورت کی وجہ سے ان کی رائے شیخین کے مقابلے میں قبول کی گئی۔ (عالمگیری: ص ۱۳۴) تعلیم قرآن، امامت، اذان اسی سلسلہ کے مسائل ہیں۔

علامہ شامیؒ نے حاوی قدسی سے نقل کیا ہے کہ اگر صاحبین کی رائے امام صاحب کے موافق ہو تو اس سے بلا ضرورت تجاوز نہ کیا جاوے، مگر جب اندازہ ہو کہ اگر امام صاحب موجود ہوتے تو وہ بھی یہی رائے قائم فرماتے۔ (رسم المفتی: ص ۷۰)



فقہیہ ابواللیث سمرقندی فرماتے ہیں: جب امام اعظم کے مذہب میں کسی مسئلہ کے متعلق کوئی قول نہ ملے تو امام مالک کے مذہب کی طرف رجوع کیا جاوے، کیونکہ وہ سارے مذاہب میں ہمارے مذہب سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ (شامی: ج ۲، ص ۵۲۸)

اگر کوئی حنفی اپنی وسعت نظر، جودتِ فہم، صفائی باطن یا کسی اور داعیہِ قویہ کی بناء پر کسی دوسرے امام کی دلیل کو قوی سمجھ کر اس پر عمل کرے تو وہ شخص حنفیت سے خارج نہیں ہوگا، ”والحاصل ان ماخالف فیہ الاصحاب امامہم الاعظم لایخرج عن مذہبہ اذا رجحہ المشائخ المعتبرون، وکذا ما بناہ المشائخ علی العرف الحادث لتغیر الزمان او للضرورة، ونحو ذلک لایخرج عن مذہبہ ایضا لأن ما رجحہ لترجح دلیلہ عندهم مآذون بہ من جهة الإمام الخ“ (شرح عقود رسم المفتی، ص: ۶۸،)۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں: میرا خیال ہے کہ فقہاء کی عبارتوں میں یہ تعارض حقیقی تعارض نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق ان دو مختلف صورتوں سے ہے کہ اگر فقہاء ایسے تفردات اور نوادرات کو اپنے عمل کی بنیاد بنائیں جو امت کے سواد اعظم کی رائے اور مسلک کے خلاف ہو تب تو یہ صحیح نہیں، ورنہ اگر امت کو کسی تنگی سے نکالنا اور کوئی سہولت پیدا کرنا مقصود ہو تو اس کی اجازت ہے، کتب فقہ میں کثرت سے اس کی نظیریں موجود ہیں۔

اگر تفردات اور نوادرات کو اپنے عمل کی بنیاد بنائے جو امت کے سواد اعظم کی رائے کے خلاف ہو تو صحیح نہیں، ورنہ اگر کسی تنگی سے نکالنا ہو تو اسکی اجازت ہے، کتب فقہ میں اسکی بہت سی نظیریں ہیں۔

ضرورت شرعی سے مراد وہ ضرورت ہے جسے علماء راسخین فی العلم جو کہ تقویٰ و طہارت کی

صفات عالیہ سے متصف ہوں وہ ضرورت قرار دیں، اگر وہ واقعی ضرورت سمجھیں کہ اس وقت مذہب غیر پر عمل کئے بغیر چارہ نہیں ہے تو وہ ضرورت شرعی سمجھی جائے گی، اور اس وقت مذہب غیر پر بقدر ضرورت عمل جائز ہوگا۔ ضرورت کی تعیین ہر مسئلہ اور واقعہ میں الگ ہوگی اور عوام تو عوام ہی ہے؛ عام علماء کو بھی اسکی تعیین کی اجازت نہیں، اسکا فیصلہ صرف راہنہ فی العلم متقی علماء ہی کر سکتے ہیں جو شاذ و نادر ہیں، اسکی واضح مثال مسئلہ مفقود ہے کہ علماء نے جب مذہب مالکیہ پر فتویٰ دینے کی ضرورت محسوس کی تو اس کا فتویٰ صادر فرمایا لیکن اس میں احتیاط کے تمام پہلو مد نظر رکھ کر یہ فیصلہ دیا گیا۔ (احسن الفتاویٰ : ۴۲۰/۱)

اس پر فتن دور میں جبکہ تبحر علمی اور تفقہ فی الدین کا فقدان ہے قرآن و حدیث اور تعامل صحابہ و ائمہ کرام سے معلوم ہوتا ہے کہ جدید مسائل اور پیش آمدہ غیر منصوص صورتوں کو حل کرنے کیلئے اجماعی و شورائی طریقہ ہی اپنایا جائے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں بالترتیب مرتدین سے قتال، دادا کی میراث اور شراب کی سزا کے بارے میں صحابہ کرام نے اجماعی طریقہ سے مسائل حل فرمائے۔

صحابہ کرام کی طرح حضرات تابعین بھی مشورہ اور اجماعی طریقہ سے مسائل حل کرتے تھے۔

مدینہ منورہ میں فقہاء کرام کی جماعت موجود تھی جنکو فقہاء اہل مدینہ کہا جاتا تھا، جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو یہ سب ملکر غور و خوض کر کے فیصلہ فرماتے، انکی تحقیق کے بغیر کوئی قاضی فیصلہ نہ کرتا تھا۔

تلفیق کی اصطلاحی تعریف: القیام بعمل یجمع فیہ بین عدة مذاهب حتی لا

يمكن اعتبار هذا العمل صحيحاً في اي مذهب من المذاهب ايك عمل ميں دو مسئلوں ميں دو مختلف فقهاء كى رائے كو اس طرح قبول كرنا ہے كه بحیثیت مجموعی وہ عمل ان ميں سے كسى كے نزديك بھی درست قرار نہ پائے۔ (معجم لغة الفقهاء : ۱۴۴) اگر دو علیحدہ مسئلوں ميں مختلف فقهاء كى رائے پر عمل كيا جاوے تو وہ دونوں ايك دوسرے سے منسلك اور وابستہ ہوں اسكا شمار تلفيق ميں نہ ہوگا۔ مثلاً فقہ شافعی كے اصول پر كپڑے پاك كئے اور فقہ حنفی كى رعایت كرتے ہوئے نماز اداء كى تو كپڑے كى پا كى فقہ حنفی ميں اور نماز كى صحت فقہ شافعی ميں تسليم شدہ نہ ہو، پھر بھی یہ عدول درست ہوگا۔

الحلیۃ الناجزہ كے حوالے سے گذر چكا كه ہمارے نزديك ان اقوال مختلفہ ميں سے یہ قول اعدل الاقوال ہے كه عمل واحد ميں تلفيق خارق للاجماع كى اجازت نہ ہو اور دو عمل جدا گانہ ہوں تو ان ميں تلفيق كى اجازت دى جائے گو ظاہر خلاف اجماع لازم آتا ہے مثلاً كوئى شخص بے ترتيب وضو كر لے تو شافعیہ كے نزديك وضو صحیح نہیں اور كوئى شخص ربع رأس سے كم مسح كر لے تو حنفیہ كے نزديك وضو نہیں ہوتا۔ پس اگر كوئى شخص اس طرح وضو كرے كه ترتيب كى رعایت نہ ہو اور مسح كرے ربع رأس سے كم كا، تو كسى كے نزديك بھی وضو نہیں ہوا۔ اور یہ تلفيق خارق اجماع ہے، اور كسى نے وضو ميں چوٹھائى سر سے كم كا مسح كيا اور نماز ميں فاتحہ خلف الامام نہ پڑھی تو ظاہراً اس صورت ميں بھی خرق اجماع لازم آتا ہے كه وضو شافعیہ كے مذهب پر ہے اور نماز حنفیہ كے مذهب پر مگر وضو جدا گانہ عمل ہے اور نماز جدا اس واسطے یہ تلفيق منع نہیں۔

مفتی شفیع صاحب خلاصہ نقل كرتے ہیں كه مجتہد كيلئے بعض مسائل ميں مذهب غير اختيار كرنا چند شرائط كے ساتھ جائز ہے (۱) اسكا یہ عمل ایسى تلفيق كو لازم نہ ہو جس كے باطل ہونے پر دونوں اماموں كا اجماع ہو جيسا كه تحرير الاصول، الاحكام اور اسنوی وغيرہ كتب ميں گذرا۔

(۲) مذہب غیر کا اختیار کرنا اپنے امام کے مذہب پر عمل کرنے سے پہلے ہو، اس طرح کہ اس حادثہ میں اپنے امام کے مذہب پر عمل ہی نہ کیا ہو۔  
وفی غیر ما عمل بہ لہ ان یقلد غیرہ من المجتہدین۔

(تیسیر التحریر: ۲۵۴/۴)

(۳) رخصت تلاش کرنے کے لئے نہ ہو کیونکہ عامی کیلئے بالاجماع اس طرح کرنا جائز نہیں ہے، مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ متقدمین مشائخ نے ضرورت شدیدہ اور عموم بلوی کی شرط نہیں لگائی ہے لیکن اس فساد اور تلاعب بالمدین کے زمانہ میں اس شرط کا لحاظ کرنا ضروری ہے جیسے کہ علامہ شامی نے ذکر کیا ہے۔ (جواہر الفقہ: ۱۶۶/۱)

اجماع ائمہ کو باطل کرنے والی تلفیق قابل اعتبار نہیں ہے، اس کی مثال جیسے کسی آدمی نے وضوء کے بعد پچھنا لگایا اور عورت کو چھولیا پھر بغیر اعادہ وضوء نماز پڑھی تو وہ بالاجماع باطل ہے، اسی طرح کسی نے پچھنا کا قول شوافع سے اختیار کیا اور سورہ فاتحہ کا رکن صلاۃ نہ ہونے کا قول احناف سے لیا اور نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو یہ بھی بالاجماع باطل ہے، امام شافعی کے نزدیک فاتحہ ترک کرنے سے اور امام صاحب کے نزدیک بے وضوء ہونے کی وجہ سے، یہ عمل واحد میں تلفیق کا حکم ہے، اور اگر صرف دو قول میں ہو عمل میں نہ ہو تو جائز ہے بایں طور کہ احتجام میں شوافع کے قول کو اور مسمرۃ یا فاتحہ کے عدم رکن ہونے میں احناف کے قول کو ترجیح دی۔

اسی طرح دو عمل میں تلفیق کی اس طرح کہ احتجام کے بعد بلا اعادہ وضوء نماز پڑھی لیکن فاتحہ کو نہیں چھوڑا، دوسری مرتبہ احتجام کے بعد اعادہ وضوء کیا لیکن سورہ فاتحہ کے بجائے ایک آیت پڑھی (یہ بھی جائز ہے)

وہ تلفیق ممنوع ہے جس کا مقصد واجبات و فرائض سے رہائی حاصل کرنا، خواہشات نفس

کی پیروی اور محرمات شرع کے ارتکاب کے لئے حیلہ جوئی ہو، لیکن صحیح مقاصد کے لئے درج ذیل شرائط کے ساتھ تلفیق جائز ہے۔

اول :- تقلید کے طور پر جو عمل ہو چکا ہے اس سے رجوع لازم نہ آئے، مثلاً: ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا: انت طالق البتہ تجھے قطعاً اور یقینی طلاق ہے، اور اس کی نیت اس سے تین طلاق کی ہے، پھر اس نے اس مسئلہ میں اپنی رائے کو نافذ کیا اور یہ یقین کر لیا کہ وہ عورت اس پر حرام ہو چکی ہے، پھر اس کی رائے یہ ہوئی کہ اس طلاق کو رجعی قرار دے کر اس سے رجعت کر لے اور اسے اپنی زوجیت میں باقی رکھے۔

دوم :- یہ کہ اس سے اس کے لازم اجماعی (یعنی پہلے تقلید کے طور پر عمل کرنے کی وجہ سے جو صورت لازم آتی ہے) سے رجوع لازم نہ آتا ہو، مثلاً: ایک شخص نے بغیر ولی کے نکاح کے صحیح ہونے میں امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کی، اور ایک بالغ لڑکی سے بلا ولی نکاح کر لیا تو اس میں شک نہیں کہ اگر نکاح کی صحت تسلیم کر لی جائے تو اس سے طلاق واقع کرنا بھی لازماً صحیح ہوگا، تو اگر یہ شخص اپنی منکوحوہ کو جس سے بغیر ولی کے نکاح کیا ہے تین طلاق دے دے، پھر طلاق واقع نہ ہونے میں امام شافعیؒ کی تقلید کرنا چاہے (کہ امام شافعیؒ کے مسلک کی رو سے یہ نکاح ہی صحیح نہیں ہوا، کیونکہ بغیر ولی کے تھا) تو ایسا کرنا اس کے لئے جائز نہ ہوگا، کیونکہ یہ سابق تقلید کے نتیجے میں لازم آنے والے لازم اجماعی حکم سے رجوع کرنا ہے۔

سوم :- یہ کہ علماء کے نادر اور شاذ اقوال کو اختیار نہ کرے، کیونکہ علماء کے وہ نادر اور شاذ اقوال جنہیں امت نے مسترد کر دیا ہے اور قبول نہیں کیا ہے انہیں اختیار کرنا جائز نہیں ہے، امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں: جو شخص علماء کے نادر اقوال کو اختیار کرے گا وہ اسلام سے نکل جائے گا، سلیمان تیمی کہتے ہیں: اگر تو ہر عالم کی رخصت اختیار کرے تو تجھ میں تمام برائیاں جمع

ہو جائیں گی اور علماء کے شاذ و نادر سے مراد وہ اقوال ہیں جنہیں زلات (لغزشیں) کہا جاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر ہم تلفیق اور تتبع رخص کو مطلقاً مباح قرار دیں تو یہ امت کے لئے فتنہ اور آزمائش ہوگی، اور شریعت کی ہتک حرمت ہوگی؛ کیونکہ یہ دونوں اباحت پسندی، آزادی، لہو لعب اور خواہش کی پیروی کا سبب بنیں گے، ہاں اگر قابل اعتماد فقہائے کرام دورِ جدید کے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے اور امت سے حرج اور تنگی کو دور کرنے کے لئے ضروری شرائط کے ساتھ رخصت اور تلفیق کو اختیار کرنے کی ضرورت محسوس کریں، تو میری رائے میں اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بالخصوص جب یہ کام علماءِ راہنہ کے اجتماعی اجتہاد کے نتیجے میں انجام پائے۔

ایک عامی کے لئے کسی نہ کسی مذہب کی تقلید ہی ضروری ہے تو اگر وہ کسی معین مذہب کی تقلید نہیں کرنا چاہتا تو اس کی وجہ عموماً اس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ وہ جس مذہب میں جو مسئلہ اس کی خواہش کے مطابق ہو اسے اختیار کرنا چاہتا ہے، اور اتباع ہو بالاتفاق ممنوع ہے۔

پس جن لوگوں نے عوام کی اس کمزوری کا لحاظ کیا انہوں نے مذہب معین کے التزام کو ان کے لئے ضروری قرار دیا؛ تاکہ اتباع شریعت کے پردے میں اتباع ہوئی نہ کی جاسکے۔

چنانچہ علامہ نوویؒ نے الکیا ہر اسی کے قول کی جو مذہب معین کے التزام کو ضروری قرار دیتے ہیں یہ وجہ بیان کی ہے:

”لو جاز اتباع ای مذہب شاء لافضی الی ان یتلق رخص المذہب متبعاً ہواہ ویتخیر بین التحلیل والتحریم والوجوب والجواز وذلک یودی الی انحلال ربقة التکلیف. (شرح المہذب مقدمہ : ص / ۵۵)

اور جن لوگوں نے مذہب معین کے التزام کو ضروری قرار نہیں دیا، انہوں نے بھی عدم

اتباعِ ہویٰ کی شرط لگادی اس لئے نتیجہ کے طور پر بالعموم دونوں رایوں میں کوئی فرق نہ ہوگا ، کیونکہ اتباعِ ہویٰ جس کا منشانہ ہو وہ ”یک درگیر و محکم گیر“ کے اصول سے تجاوز ہی کیوں کرے گا۔

مجمع الفقہ الاسلامی جدہ کے رخصت پر عمل اور تلفیق کے سلسلہ میں ہونے والے فیصلہ کو ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

اکیڈمی اپنے آٹھویں اجلاس منعقدہ بندر سیری بیگاؤن (برونائی) مورخہ ۱-۷/محرم ۱۴۱۴ھ مطابق ۲۱-۲۷/جون ۱۹۹۳ء میں ”رخصت پر عمل کرنے کے احکام“ پر موصولہ تمام مقالات اور مباحثات پر غور و خوض کے بعد درج ذیل تجاویز منظور کرتی ہے:

۱- ”رخصت شرعی“ سے مراد وہ احکام ہیں جو کسی عذر کو مد نظر رکھتے ہوئے لوگوں کو سہولت پہنچانے کے لئے مشروع کئے گئے ہیں حالانکہ حکم اصلی کا تقاضہ کرنے والے اسباب موجود ہیں۔

شریعت کی دی گئی سہولتوں پر عمل کرنا اگر اس کے اسباب موجود ہوں، باتفاق جائز ہے؛ بشرطیکہ رخصت اختیار کرنے کے اسباب بھی موجود ہوں اور دی گئی رخصت کے دائرے سے تجاوز نہ کیا جائے، نیز رخصت پر عمل کے سلسلہ میں شریعت کے مقررہ اصول و ضوابط کی رعایت کی جائے۔

۲- ”رخص فقہیہ“ سے مراد فقہی اجتہادات ہیں جن میں کسی چیز کو مباح قرار دیا گیا ہو جب کہ ان کے بالمقابل دوسرے فقہی اجتہادات میں اس چیز کو ناجائز قرار دیا گیا ہو۔

”رخص فقہاء کو اختیار کرنا“ یعنی مجتہدین کے اقوال میں سے آسان قول پر عمل کرنا شرعاً چند شرائط کے ساتھ جائز ہے، جن کا ذکر دفعہ (۴) میں آ رہا ہے۔

۳- عام مسائل میں رخصتوں کا حکم بھی اصل فقہی مسائل کی طرح ہوگا جب کہ رخصت شریعت کی معتبر مصلحتوں کو پورا کرتی ہو، نیز مختلف اقوال میں ترجیح کی صلاحیت رکھنے والے اور تقویٰ و علمی امانت کے صفات سے آراستہ علماء نے اجتماعی اجتہاد کے ذریعہ اس کی اجازت دی ہو۔

۴- مختلف فقہی مسالک کی دی ہوئی رخصتوں پر محض خواہش نفسانی کی وجہ سے عمل کرنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ اس طرح شریعت کی پابندی اٹھ جائے گی، بلکہ رخصت پر عمل کرنے کے لئے درج ذیل ضوابط کی رعایت ضروری ہوگی:

(الف) رخصت و سہولت پر مبنی فقہاء کے اقوال جن کو اختیار کیا جانا ہو، وہ شرعاً معتبر اقوال ہوں، شاذ اقوال میں وہ شمار نہ کئے جاتے ہوں۔

(ب) رخصت پر عمل کرنے کی ضرورت کسی مشقت کو دور کرنے کے لئے ہو، خواہ وہ سماج کی عمومی ضروریات ہوں یا خصوصی یا کسی شخص کی انفرادی ضرورت ہو۔

(ج) رخصت پر عمل کرنے والا بذات خود ترجیح کی صلاحیت رکھتا ہو یا کسی دوسرے ایسے شخص پر اعتماد کر رہا ہو جو ترجیح کی صلاحیت رکھتا ہے۔

(د) رخصت پر عمل کے نتیجہ میں دفعہ (۶) میں ذکر کردہ ممنوع تلفیق کا ارتکاب نہ لازم

آتا ہو۔

(ھ) اس قول کو اختیار کرنا کسی غیر مشروع مقصد تک رسائی کا ذریعہ نہ بنتا ہو۔

(و) رخصت اختیار کرنے والے کا دل رخصت پر مطمئن ہو۔

۵- مسالک فقہیہ کی تقلید میں تلفیق کی حقیقت یہ ہے کہ کسی ایک ہی مسئلہ کے اندر

جس میں ایک دوسرے سے تعلق رکھنے والے دو یا دو سے زائد پہلو موجود ہوں، کوئی مقلد مختلف



ائمہ کے اقوال پر اس طرح عمل کرے کہ ان میں سے کوئی امام اس عمل کا قائل نہ ہو۔  
۶- درج ذیل صورتوں میں تلفیق ممنوع ہے:

- (الف) محض خواہش نفسانی کے لئے رخصت پر عمل کرنا لازم آتا ہو، یا رخصت پر عمل کرنے کے لئے مقررہ ضابطوں میں سے کسی ایک ضابطہ کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔  
(ب) کسی حکم قضاء کے توڑنے کا سبب بن جائے۔  
(ج) ایک ہی واقعہ میں پہلے کئے گئے عمل کی خلاف ورزی لازم آتی ہو۔  
(د) اجماع یا اجماع کے تقاضوں کی مخالفت لازم آتی ہو۔  
(ه) ایسی مرکب (دوہری) حالت پیدا ہوتی ہو جو کسی مجتہد کے نزدیک قابل تسلیم نہ ہو۔ واللہ اعلم

اسی طرح اسلامی فقہ اکیڈمی دہلی کے بارہویں فقہی سیمینار بعنوان ”فقہی اختلاف کی شرعی حیثیت“ کی تجاویز بھی پیش خدمت ہے۔

**اسلامی فقہ اکیڈمی دہلی کے فیصلے ملاحظہ ہو۔**

**فقہی اختلاف کی شرعی حیثیت:**

(۱) احکام شرعیہ کے دو حصے ہیں: منصوص اور غیر منصوص، منصوص سے مراد وہ احکام شرعیہ ہیں جو کتاب و سنت میں مذکور ہیں، اور غیر منصوص سے مراد وہ احکام ہیں جن کا تعلق ائمہ مجتہدین اور فقہاء کے اجتہاد و استنباط سے ہے۔ بلاشبہ ائمہ و فقہاء کے اجتہادات و استنباطات اور ان کا فقہی ذخیرہ ہمارا قیمتی سرمایہ اور شریعت اسلامیہ کا حصہ ہیں۔

(۲) ائمہ مجتہدین کے درمیان مسائل میں جو اختلاف رائے ہے وہ اختلاف حق و باطل نہیں ہے بلکہ مختلف فیہ مسائل کی ایک بڑی تعداد وہ ہے جن میں افضل، غیر افضل، راجح، غیر

راجح کا اختلاف ہے، باقی مسائل میں اختلاف کی نوعیت یہ ہے کہ ایک رائے صواب باحتمال خطا اور دوسری رائے خطا باحتمال صواب پر محمول ہے۔

(۳) عامی جو کتاب و سنت اور دلائل شرعیہ سے واقف نہیں ہے، اس کے لئے راہ عمل یہ ہے کہ وہ کسی معتمد و مستند عالم دین سے مسئلہ شرعی معلوم کر کے اس پر عمل کرے، وہ اسی طرح شریعت پر عمل پیرا قرار دیا جائے گا۔

(۴) ائمہ مجتہدین کی آراء پر عمل کرنے والی مختلف جماعتوں یا افراد کا ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہنا یا ان اکابر سلف کی مذمت کرنا یا ان کے فقہی استنباطات کو تمسخر کا نشانہ بنانا قطعاً حرام ہے اور یہ کسی مسلمان کے لئے دنیا و آخرت میں سخت بد نصیبی اور خسارہ کا سبب ہے۔

(۵) اختلافی مسائل میں سلف صالحین کی روش رواداری، ادب و احترام، ایک دوسرے کے مقام و منصب کو ملحوظ رکھنے اور ان کے علوم و معارف کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھنے کی رہی ہے، ان حضرات نے علمی مباحثات میں ان آداب کی پوری رعایت کی ہے، بلاشبہ سلف صالحین کی روش ہمارے لئے مشعل راہ ہے، افراد امت کی ذمہ داری ہے کہ اسی روش کو اختیار کریں اور اختلافی مسائل میں راہ اعتدال پر چلیں۔

(۶) اگر وقت اور حالات کی تبدیلی سے معاشرہ کسی مشکل صورت حال کا شکار ہو اور ائمہ مجتہدین کی فقہی آراء میں سے ایک پر عمل حرج اور دشواری کا باعث ہو اور دوسری فقہی رائے پر عمل سے یہ حرج دور ہو جائے تو ایسی صورت میں علماء و فقہاء جو اصحاب ورع و تقویٰ اور ارباب علم و فہم ہوں ان کے لئے دوسری رائے پر فتویٰ دینا جائز ہے جو باعث دفع حرج ہو، البتہ اس طرح کے مسائل میں انفرادی طور پر فتویٰ دینے کے بجائے اجتماعی طریقہ اختیار کیا جائے۔

(۷) ایسے مسائل جن میں مستند علماء و فقہاء کی ایک جماعت عدول کی ضرورت سمجھے اور

مسئلہ مجتہد فیہ میں ایک خاص فقہی رائے کو دفع حرج کے لئے اختیار کرے اور اس پر فتویٰ دے، اور دوسری جماعت اس سے اختلاف کرے اور اس فقہی رائے کو اختیار کرنے کی ضرورت محسوس نہ کرے، ایسی صورت میں عام لوگوں کے لئے اس رائے پر عمل کرنا جائز ہے جس میں عدول کر کے سہولت کی راہ اختیار کی گئی ہے، اور اصحاب افتاء کے لئے اس رائے پر بھی فتویٰ دینا جائز ہے۔ (بارہواں فقہی سیمینار (بستی) بتاریخ ۵-۸/ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۱-۱۴/فروری ۲۰۰۰ء) (نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے: ص ۱۷، ۱۸)

÷÷=====÷÷

## فهارس المراجع والمصادر

نمبر	اسماء كتب	نمبر	اسماء كتب
١	فتاوى ابن تيميه	١٩	التعريفات
٢	كتاب الميزان للشعراني	٢٠	التعريفات الفقيهيه
٣	المسوده لابن تيميه	٢١	تاج العروس
٤	تيسير التحرير لابن امير بادشاه	٢٢	الأشباه والنظائر
٥	عقد الجيد	٢٣	شامى
٦	طحطاوى	٢٤	خلاصة التحقيق فى حكم التقليد والتلفيق
٧	رسم المفتى	٢٥	الموافقات
٨	نهاية السؤل	٢٦	بدائع الصنائع
٩	فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت	٢٧	رسائل ابن عابدين
١٠	التقرير والتحبير	٢٨	عالمگيرى
١١	الاحكام للآمدى	٢٩	مشائخ البلخ من الحنفية
١٢	بحر الرائق لابن نجيم	٣٠	ارشاد الفحول للشوكانى
١٣	حاشية العطار على جمع الجوامع	٣١	اصول الفقه الإسلامى للزحيلى
١٤	مقدمه شرح مهذب	٣٢	سلم الوصول شرح نهاية السؤل
١٥	لسان العرب	٣٣	فتح القدير
١٦	فتاوى الحديثيه	٣٤	الفتاوى الكبرى
١٧	تفسير كبير للرازى	٣٥	اعلام الموقعين
١٨	روح المعانى للآلوسى	٣٦	تفسير قرطبى
٣٧	تهذيب التهذيب	٣٩	اجتهادكى حاجت وضرورت

۳۸	البحر المحيط للزرکشی	۵۰	فتاویٰ رشیدیہ
۳۹	المستصفیٰ للغزالی	۵۱	فتاویٰ محمودیہ
۴۰	اعلاء السنن	۵۲	الاقتصاد فی التقليد والاجتهاد
۴۱	الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف	۵۳	تقریر الشریعتی علی جمع الجوامع
۴۲	اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ	۵۴	نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے
۴۳	قاموس الفقہ	۵۵	اجتہاد و تقلید (حکیم الاسلام)
۴۴	مباحث فقہیہ	۵۶	دین کی تفہیم و تشریح
۴۵	مجمع الفقہی الاسلامی جدہ کے فیصلے	۵۷	فقہ حنفی کے اصول
۴۶	جواہر الفقہ	۵۸	الحیلة الناجزة للحلیة العاجزة
۴۷	احسن الفتاویٰ	۵۹	البلاغ مفتی اعظم نمبر
۴۸	امداد الفتاویٰ	۶۰	تذکرۃ الظفر